موطأ مالک کی اندلسی شرحیں

ایک تقابلی و تجزیاتی مطالعہ

از

ڈاکٹر مصطفیٰ حمیداتو

جمعہ باتنہ-الجزائر

موطأ مالک کی اندلسی شرحیں
ایک تقابلی وتجزیاتی مطالعہ

از: ڈاکٹر مصطفیٰ حمیداتو / جامعہ باتنہ-الجزائر

تمہید:

کتاب اللہ کے بعد اگر اندلسی علمانے کسی کتاب کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا تو وہ امام مالک کی ''موطا'' ہے۔ دراصل یہاں کے علما کا ایک بڑا طبقہ مشرق گیا اور امام دارالہجر ۃ مالک بن انسؒ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا، پھر ان سے موطأ پڑھی اور ان کے مسلک سے واقفیت حاصل کر کے ان کے گرویدہ ہوگئے، علما ان کے مسلک ومشرب کو اپنے علاقوں میں پھیلانے لگے۔ اس طرح عبدالرحمٰن بن معاویہ الداخل کے زمانہ میں اندلس میں موطأ مالک آئی۔

مقری نے ''نفح الطیب'' میں لکھا ہے کہ اندلس کے مسلمان امام مالک کے مسلک کے یہاں آنے سے پہلے امام اوزاعی کے مسلک پر چلتے تھے۔

ذیل میں ان اسباب کو پیش کیا جاتا ہے جو اندلس میں امام اوزاعی کے مسلک کے ظہور کا باعث ہوئے:

۱- پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اندلس میں آنے والے اسلامی فوج جس میں ایک بڑی تعداد شامی لوگوں کی تھی جو اہل شام کے امام امام اوزاعی کے مذہب ومسلک کو سمجھتے تھے۔

۲- اندلس میں قائم خلافتِ امیہ اسی خلافت کی مرہونِ منت تھی جو شام میں قائم تھی، جہاں امام اوزاعی کا مسلک رائج تھا۔

امام اوزاعی کے مسلک کو اندلس میں لانے والا پہلا شخص صعصہ بن سلام اندلسی دمشقی ہیں۔

جہاں تک امام مالک بن انسؒ کے مسلک کا تعلق ہے تو وہ امام اوزاعیؒ کے مسلک کے ختم ہو جانے اور زوال کے بعد اندلس میں چھایا، اندلس میں امام مالک کے مسلک کی آمد نے حدیث کے سلسلے میں روح پھونکنے کے لیے ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے؛ اس لیے کہ وہاں کے علما موطأ کی روایت، اس کے مطالعہ، اس کی شرح اور لوگوں میں اس کی نشر و اشاعت میں پوری توجہ سے مشغول ہو گئے تھے۔

صاحب البغیہ نے ابن حزم سے ان کا قول نقل کیا ہے: دو مسالک تو اپنے ابتدائی دور ہی میں سلطنت و حکومت کے ذریعہ پھیل گئے تھے، ایک امام ابوحنیفہؒ کا مسلک؛ اس لیے کہ جب امام ابو یوسفؒ کو منصبِ قضا پر فائز کیا گیا تو قاضی انہیں کی طرف سے متعین ہوتے تھے اور مشرق سے لے کر افریقہ کے دور دراز علاقوں تک صرف انہیں کے تلامذہ اور مسلک کے ماننے والے لوگوں کو عہدۂ قضا سپرد کیا جاتا تھا۔

دوسرے اندلس میں امام مالکؒ کا مسلک؛ اس لیے کہ یحیٰ ابن یحیٰ بادشاہ کی نگاہ میں باحیثیت اور قضا کے سلسلے میں معتبر سمجھے جاتے تھے؛ یہی وجہ ہے کہ اندلس میں قاضی کا تقرر انہی کے مشورے اور پسند سے ہوتا تھا اور ان کا مشورہ اپنے شاگردوں اور اپنے پیروؤں کے بارے میں ہی ہوتا تھا۔

ذیل کی اس بحث میں مَیں اہل اندلس کی موطأ سے دلچسپی کا اور اس کی خدمت کے حوالے سے ان حضرات کی کوششوں پر روشنی ڈالوں گا۔

پہلی بحث: موطأ پر اہل اندلس کی نظرِ عنایت:

دوسری صدی ہجری کے وسط میں اندلس کے بہت سے طلبہ نے مشرق کا بطور خاص حجاز

کا سفر کیا؛ تاکہ امام دارالہجرہ مالک ابن انسؒ سے فقہ حاصل کریں۔

ذیل میں ان چند علما کا تذکرہ کروں گا جو خود امام مالک سے موطا کو روایت کرنے کے سلسلے میں مشہور ہوئے۔

۱-ابو محمد غازی بن قیس (المتوفی ۱۹۹ھ) انھوں نے عبدالرحمٰن ابن معاویہ الداخل کے ابتدائی دور میں سفر کیا اور امام مالکؒ سے موطأ کی سماعت کی، ابن فرضی نے تو لکھا ہے کہ انھوں نے موطأ کا پورا متن زبانی یاد کرلیا تھا۔

۲-زیاد بن عبدالرحمٰن لخمی (المتوفی ۲۰۴ھ) جو زیاد شبطون سے مشہور تھے، انھوں نے بھی امام مالک سے موطأ کی سماعت کی، عمدہ اور کامل و مکمل انداز میں اندلس میں سب سے پہلے موطا مالک لانے والے یہ پہلے شخص ہیں۔

۳-یحیٰ بن یحی بن کثیر بن وسلاس لیثی (المتوفی ۲۳۴ھ) انھوں نے زیاد بن عبد الرحمٰن سے موطأ کی سماعت کی پھر دیار مشرق کا سفر کیا، اس وقت ان کی عمر ۲۸ر سال کی تھی، انھوں نے امام مالک سے موطأ کی سماعت کی؛ لیکن امام مالک سے کتاب الاعتکاف کے چند ابواب کے سماع میں شک ہے۔ چناں چہ انھوں نے ان ابواب میں اپنی روایت کو زیاد سے ثابت کیا ہے۔

۴-اندلس میں آنے والی چند موطاؤں کا ذکر:

موطأ یحیٰ بن عبد اللہ بن بکیر، اندلس میں روایت کی گئی ہے یحی بن عمر اندلسی سے جنھوں نے روایت کی ہے، امام مالک سے روایت کرنے والے یحی بن بکیر سے۔

۵-موطأ عبداللہ بن مسلمہ قعنبی، اندلس میں اس کو روایت کرنے والے عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن اسد جہنی ہیں، انھوں نے کہا: ہم سے بیان کیا بکر بن علا قشیری قاضی مالکی نے، انھوں نے کہا: ہم سے بیان کیا احمد بن موسیٰ شامی نے اور شامی نے قعنبی سے اور قعنبی نے امام مالک سے، اور یہ قاسم بن اصبغ عن محمد بن اسماعیل ترمذی عن قعنبی عن مالک کے طریق سے بھی ہے۔

یہ اندلس میں پائی جانے والی سب سے مشہور موطائیں ہیں اور علما میں رائج ہیں تاہم بعد میں یحی بن یحی لیثی کی روایت ہی مشہور ہوئی، اور اس پورے دیار میں چھا گئی؛ اس لیے کہ اس کے راوی مشہور، ثقہ، بلند مرتبہ اور قضا کے سلسلے میں بڑے محتاط تھے۔

ایسے ہی موطا کی دوسری بہت سی روایات بھی اندلس میں آئیں اور علما میں رائج رہیں۔ اگرچہ پہلے کی طرح ان کی وہ شہرت نہیں مل پائی۔ حافظ ابن عبد البر نے اپنی کتاب ''التمہید لمافی الموطأ من المعانی والأسانید'' میں ان روایات کے سلسلے میں ایک جماعت کا تذکرہ کیا ہے ذیل میں ہم ان کا ذکر کرتے ہیں:

موطأ -ابو مصعب احمد بن ابوبکر بن حارث

موطأ -اسماعیل بن ابراہیم عجلی

موطأ -سعید بن کثیر بن عضیر

موطأ -عبداللہ بن نافع مخزومی

موطأ -بشر بن عمر زہرانی

موطأ -زید بن حباب

موطأ -عبدالرحمٰن بن قاسم

موطأ -عبداللہ بن مبارک

موطأ -عبداللہ بن وہب

موطأ -عتیق بن یعقوب زبیری

موطأ -محمد بن ادریس شافعی

موطأ -محمد بن حسن شیبانی

موطأ -معن بن عیسیٰ بن یحی بن دینار اشجعی قزاز

موطأ -مصعب بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت

موطأ -مطرف بن عبداللہ بن مطرف

موطأ -یحیٰ بن سعید قطان

اندلس میں آنے والی اہم موطاؤں کا یہ مختصر تذکرہ ہے جو اندلس کے اسلامی دور کی ابتدائی چار صدیوں کے دوران میں علما میں رائج رہیں۔

ان روایات کی نشاندہی کرنے میں چند وجوہات کی بنا پر میں نے حافظ بن عبدالبر کی تحریر پر اعتماد کیا ہے۔ وہ اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

۱- پانچویں صدی ہجری میں حافظ ابن عبدالبر کا شمار موطأ مالک کے مشہور خادموں میں تھا؛ اس لیے کہ موطأ پر لکھی جانے والی کتابوں میں ان کی دونوں کتاب ''التمہید لما فی الموطأ من المعانی والأسانید'' اور ''الاستذکار لمذاہب علماء الأمصار'' کا شمار بہترین کتابوں میں تھا۔

۲- حافظ ابن عبدالبر اپنی پوری زندگی اندلس سے کہیں باہر نہیں گئے، لہٰذا! یہ ماننا پڑے گا کہ اندلس ہی میں رہ کر انہیں ان روایات سے واقفیت حاصل ہوئی اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ پہلے ہی سے علما میں یہ کتابیں رائج تھیں۔

بعید نہیں کہ موطأ کی بعض دوسری روایات بھی اندلس آئی ہوں؛ خاص طور پر علی بن زیاد تونسی (المتوفی ۱۸۳ھ) کی روایت، یہ اس وجہ سے ہوا کہ ''تونس'' اور بطور خاص ''قیروان'' ان اندلسی علما و طلبہ کے لیے جو مشرق کی طرف جانے کا ارادہ کرتے، کے لیے پہلا مرکزی اسٹیشن کی حیثیت رکھتے تھے؛ کیونکہ وہاں علما و فقہا بڑے مشہور تھے، جیسے عبدالسلام بن سعید سحنون سے معروف تھے، انہیں سے اندلس کے بیشتر علما نے علم فقہ حاصل کیا۔

اندلسی علما کا موطأ کی روایت کے اہتمام اور ان کے نزدیک موطأ کی قدر و منزلت کی وضاحت کے بعد اندلس کے ان محدثین کا تذکرہ بھی لائق توجہ ہے جنہوں نے موطأ کے متعلق تصنیف و تالیف میں اس حد تک مبالغہ سے کام لیا کہ آپ ایک ایک عالم کی ایک سے زائد شرح پائیں گے۔

چنانچہ حافظ ابن عبدالبر نے ''التمہید لما فی الموطأ من المعانی والأسانید'' اور ''الاستذکار الجامع لمذاہب فقہاء الأمصار وعلماء الأقطار فیما تضمنہ الموطأ من معانی الرأی وشرح ذلک کلہ بالإیجاز والاختصار'' تالیف کی، اور ابوالولید سلیمان بن خلف باجی نے ''الاستیفا فی شرح الموطأ'' پھر اس کا خلاصہ ''المنتقیٰ'' اور ''کتاب المعانی فی شرح الموطأ'' تحریر فرمائی۔

امام ابوبکر بن عربی نے بھی موطأ کی کئی شرحیں لکھیں۔ مثلاً: کتاب المسالک فی شرح موطا مالک اور کتاب القبس علی موطأ مالک بن انس۔

آنے والی بحث میں موطأ کی اندلس میں لکھی جانے والی اہم شروحات کے اسلوب ومنہج سے روشناس کرانے کی کوشش کروں گا اور اس کی مطبوعہ، مخطوطہ اور نایاب کتابوں سے آگاہ کروں گا۔

دوسری بحث: موطأ کی اندلسی شروحات:

۱-التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد: (مقدمہ موطا)

یہ کتاب حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر نمری قرطبی (المتوفی ۴۶۳ھ) کی ہے۔

موضوع: موطأ امام مالک میں شامل احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) (مع متن وسند کی شرح۔ ابن عبدالبر نے کہا: میرا خیال ہوا کہ میں اپنی اس کتاب میں، یحی بن یحی لیثی اندلسی کی روایت والی موطأ مالک میں شامل، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام حدیثوں کو جمع کردوں خواہ وہ حدیث مسند ومقطوع ہو یا پھر مرسل ہو، اسی طرح ہر اس روایت کو بھی اس میں شامل کرلوں جس کی نسبت آپ کی طرف کرنا ممکن ہو۔'' یحی بن یحی کی روایت پر میں نے بطور خاص اعتماد کیا ہے؛ اس لیے کہ ہمارے ملک کے قابلِ اعتماد، دیندار، علم وفضل اور فہم وذکاوت کے حامل حضرات کی نگاہ میں اس کی بڑی اہمیت رہی ہے اور وہ اپنے علما وشیوخ سے موروثی طور پر اس کی

روایت کو کثرت سے استعمال کرتے آئے ہیں؛ مگر ہاں احکام کی ایک انتہائی اہم حدیث ان سے رہ گئی تھی؛ لہٰذا میں اس کو دوسرے طرق سے روایت کر رہا ہوں۔

ابن عبد البر کا اسلوب:

۱- مقدمہ ’’تمہید‘‘: حسبِ روایت ابن عبد البر نے اپنی کتاب کا آغاز ایک وقیع مقدمہ سے کیا ہے جس سے اپنی کتاب کے اسلوب کو واضح کیا ہے اور حدیث کے ان تمام فوائد و قواعد کا تذکرہ کیا ہے جو طالب علم کو اصل کتاب سمجھنے کے لیے پورے طور پر آمادہ کر سکے اور اس سلسلے میں انھوں نے اجتہاد کا راستہ اختیار کیا ہے اور اپنے مسلک کی تائید میں دلائل بھی پیش کرتے ہیں اور اس کے ساتھ درج ذیل عناصر شامل کیے ہیں:

☆ کتاب میں اپنے منہج اور ان شروط کی وضاحت جن کو اس اسلوب کے لیے مرکزی حیثیت دی ہے۔ جیسا کہ نیچے مذکور ہے:

☆ ثقہ علما کے مراسیل اور ان کے مسندات کے اعتبار سے ان کے مسلک کی تشریح اور خبر واحد میں علما کے اختلاف کی تشریح اس لیے کہ علم وعمل کے حوالہ سے اس میں بڑی افادیت ہے۔ اور وہ ہر ایک میں اپنی رائے کی بھی وضاحت کرتے ہیں۔

☆ اتصال وانقطاع کے اعتبار سے احادیث کی ترتیب میں اپنے طریقۂ کار کا ذکر، احادیث کی تشریح کے طریقہ کا بیان اور آثار کی تاویل میں علما کی آرا کا تذکرہ۔

☆ علم مصطلح الحدیث کے اہم پہلوؤں کی وضاحت اور رواۃ کی عدالت میں اپنے کا ذکر کر کے امام مالک کی بنیادی روایتوں پر مقدمہ کا اختتام کیا ہے۔

۲- ترتیب احادیث:

احادیث موطأ کی ترتیب میں ابن عبد البر نے دو محور اختیار کیے ہیں:

(الف) امام مالکؒ کے شیوخ کے مطابق احادیث کی ترتیب:

نام کے صرف پہلے اور دوسرے حروف کے اعتبار سے حروف تہجی کے مطابق شیوخ کے اسماء انھوں نے مرتب کیے ہیں۔ چنانچہ ''تمہید'' میں امام مالک کے سب سے پہلے شیخ ابراہیم بن عقبہ بن ابی عباس ہیں پھر وہ جن کا نام اسماعیل ہے اس کے بعد وہ جن کا نام اسحاق ہے وغیرہ۔

موطأ میں مذکور ہر شیخ کی احادیث کا ذکر ہے، کبھی ایسا بھی ہوا کہ حدیث کی ترتیب میں امام مالک کے شیوخ کا اعتبار کیا گیا ہے؛ اس لیے کہ وہ نام کے تیسرے حرف کا اعتبار نہیں کرتے، ہم دیکھتے ہیں کہ معجم کی ترتیب میں حرف حا کے حرف میم سے پہلے ہونے کے باوجود انھوں نے اسماعیل بن ابی حکیم کو اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے پہلے ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد ابن عبدالبر نے آخری جلد میں امام مالک کے ان شیوخ کے احادیث کا ذکر کیا جو اپنے نام کے بجائے کنیت سے معروف ہیں، یہاں آکر ان سے مقررہ ترتیب کی رعایت نہیں ہوسکی اور وہ چھ احادیث ہیں جن کے بعد امام مالک کے ''بلاغات'' ہیں، اس طرح کی ۶۱ر احادیث ہیں جن کو سند متصل سے ابن عبدالبر نے جوڑا ہے سوائے ان چار احادیث کے جنہیں ابن الصلاح نے رسالہ صغیرہ میں بیان کیا ہے۔

(ب) متصل و منقطع ہونے کے اعتبار سے احادیث کی ترتیب:

ابن عبدالبر جب امام مالک کے ان شیوخ میں سے کسی کی مرویات لیتے ہیں جن سے موطأ میں صحیح سند سے حدیث نقل کی گئی ہے تو پہلے متصل حدیث لاتے ہیں پھر اس کی تشریح کرتے ہیں، اس کے بعد منقطع احادیث لاتے ہیں پھر ان روایات کو جو یحیی بن یحی لیثی کے علاوہ طرق سے ہے، لاتے ہیں۔ جب متصل احادیث سے قریب وہ حدیث ملتی ہے جس کے متصل ہونے میں اختلاف ہے تو اس کو متصل روایات کے بعد اور منقطع و مرسل روایات سے پہلے رکھتے ہیں۔

تمہید میں ذکر کردہ احادیث کی ترتیب کے سلسلے میں ابن عبد البر کے طرز کا اختصار کے ساتھ ایک سرسری جائزہ تھا۔

(۳) تشریح حدیث کا طریقہ:

موطأ کی حدیثوں کی شرح میں مندرجہ ذیل طریقے اپنائے ہیں:

(الف) امام مالکؒ کے شیخ کا تعارف: جب امام کے کسی شیخ کی ان کی حدیث سے پہلے، سوانح بیان کرتے ہیں تو ان کی کنیت، نام، قبیلہ اور خاندان کے سلسلے مختلف آرا کو بیان کرتے ہیں پھر شیخ کے والد کا مکمل نام ذکر کرتے ہیں، اگر وہ اربابِ علم وفضل میں سے ہیں اس کو بھی بتاتے ہیں اور اگر امام مالک کے شیخ تابعی ہیں تو اس صحابیؓ کا تعارف کراتے ہیں جن سے امام کے شیخ نے روایت کی ہے، اسی طرح اس کی بھی وضاحت کرتے ہیں کہ کون سے شہر میں انھوں نے سکونت اختیار کی، کہاں اور کب وفات پائی۔ اخیر میں شیخ کی عدالت اور جس امام سے انھوں نے روایت لی ہے ان سے متعلق کلام پر تعارف کو ختم کر دیتے ہیں اور کبھی کبھی امام مالک کے شیخ کے شیخ کے احوال بھی ذکر کرتے ہیں۔

شرح حدیث کو اختیار کرنے سے پہلے ان احادیث کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں جنہیں امام مالکؒ نے اس شیخ سے موطأ میں متصل، منطقع اور مرسل میں سے ہر ایک کے حال کے ذکر کے ساتھ روایت کی ہے۔

(ب) مرسل ومنقطع حدیث کو متصل بنانا:

ابن عبد البر، مکمل سند کے ساتھ مطلوبہ حدیث کی شرح کے بعد یہ دیکھتے ہیں کہ اگر وہ مرسل یا منقطع ہے تو امام مالک کے ان رواۃ کا بھی تذکرہ کرتے ہیں جنھوں نے اس کو متصل بیان کیا ہے، اسی طرح اس اتصال کی صحت کے پس منظر اور مرسل حدیث بیان کرنے والے تابعی کے سلسلہ میں ائمہ کے اقوال کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔

ایک وضاحتی مثال:

امام مالک سالم بن عبد اللہ کے طریق سے ابن شہاب سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حضرت عمرؓ کے خطبہ کے دوران ایک صحابیؓ مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیا وقت ہو رہا ہے؟ صحابی نے کہا: اے امیر المؤمنین! میرے بازار سے لوٹتے ہی اذان ہوئی، بس میں وضو ہی کر پایا، حضرت عمرؓ نے فرمایا! صرف وضو، حالاں کہ تمہیں خوب معلوم ہے کہ رسول اللہ غسل کے لیے کہا کرتے تھے۔

ابن عبد البر نے کہا: امام مالک سے موطأ کے بیشتر رواۃ اس کو ابن شہاب عن سالم کے طرق سے مرسل روایت کرتے ہیں، انھوں نے (عن سالم کے بعد) عن ابیہ نہیں کہا۔

اسی کو امام مالک سے دوسرے بعض رواۃ نے متصل بیان کیا ہے۔ جن میں سے روح بن عبادہ، جویریہ بن اسماء، ابراہیم بن طہمان، عثمان بن حکم جذامی، ابو عاصم نبیل ضحاک بن مخلد، عبد الوہاب بن عطا، یحی بن مالک بن انس، عبد الرحمٰن بن مہدی، ولید بن مسلم، عبد العزیز بن عمران، محمد بن عمر واقدی، اسحاق بن ابراہیم حنینی اور قعنبی، اسماعیل بن اسحاق کی روایت میں عنہ ہے، یہ سب کے سب اس حدیث کو شہاب عن سالم عن ابیہ والے طرق سے امام مالک سے روایت کرتے ہیں، امام مالک سے موصولاً اس روایت کو نقل کرنے والے رواۃ کے ناموں کے ذکر کرنے کے بعد انہیں روایات کے کچھ حصے کو انہیں کی سند سے بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

جہاں تک روح بن عبادہ والی حدیث کی بات ہے تو اس کو عبد اللہ بن یوسف (ابن الفرضی) نے بیان کیا، ان سے احمد بن عبد اللہ بن عبد الرحیم اور محمد بن محمد بن عبد اللہ اور محمد بن یحیٰ بن عبد العزیز نے کیا، انھوں نے کہا: ہم سے احمد بن خالد نے بیان کیا، ان سے قاسم بن محمد اور قاسم سے ابو عاصم خشیش بن اصرم نے اور ان سے روح بن عبادہ نے بیان کیا، روح نے کہا مجھ سے زہری عن سالم عن ابیہ کے طریق سے امام مالک نے بیان کیا، فرمایا: جب حضرت عمرؓ جمعہ کے روز کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک شخص آیا، پھر انھوں نے حدیث ذکر کیا۔

جویریہ بن اسما والی حدیث جو انھوں نے زہری عن سالم عن ابیہ کے طرق سے امام مالک سے نقل کیا ہے۔ (پھر انھوں نے اسماعیل بن اسحاق کا ذکر کیا ہے کہ ان سے عبداللہ بن محمد بن اسماء نے بیان کیا اور ان سے جویریہ بن اسماء نے مالک کے طرق سے بیان کیا) کہ حضرت عمرؓ جوں ہی خطبہ کے لئے کھڑے ہوے کہ اولین مہاجرین سے ایک ایک صحابی رسول مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عمرؓ نے انہیں پکار کر کہا: کون سا وقت ہے یہ؟ اور حدیث بیان کیا۔ ایسے ہی اس روایت کو اسماعیل نے مالک عن شہاب عن سالم عن أبیہ کی سند سے قعنبی سے نقل کیا ہے۔

بعد اس کے کہ امام مالک سے موصولہ حدیث کی سندوں کا وہ ذکر کریں اس کے بعد ان راویوں کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے اس حدیث کو مالک کے علاوہ طرق سے متصل کیا ہے۔

چنانچہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: اس حدیث کو سالم عن ابن عمر کے طریق سے ابن شہاب کے شاگردوں کی ایک جماعت نے روایت کی ہے کہ عمر بن خطابؓ جمعہ کے روز کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے، پھر پوری حدیث بیان کی......جن میں معمر، ابو اویس وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

معمر کی حدیث کو عبدالرزاق نے ذکر کیا ہے۔ اور جہاں ابو اویس کی روایت کا تعلق ہے تو اس کو عبدالوارث بن سفیان نے بیان کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ مجھ سے بیان کیا قاسم بن اصبغ نے اور ان سے ابراہیم بن عبدالرحیم نے اور ان سے ابراہیم بن ابوالعباس شامی نے اور ان سے زہری عن سالم عن ابیہ کے طرق سے ابو اویس نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے خطبے کے لئے کھڑے ہوتے ہوئے یہ حدیث بیان کی پھر حدیث کو ذکر کیا ہے۔

مذکورہ حدیث کو امام اور دوسرے طریق سے متصل کرنے کے بعد زیر بحث ان دوسری احادیث کو لاتے ہیں جو باب سے معنیً قریب ہیں۔

ان میں سے سالم عن ابیہ کے طریق سے ابن شہاب کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے جو جمعہ کے روز نماز کے لیے آئے اس کو چاہئے کہ وہ غسل کر کے آئے'' اسی حدیث کو شہاب سے ایک جماعت نے نقل کیا ہے، انہیں میں معمر، اور

ابن عیینہ ہیں، اسی کو زبیدی نے زہری عن سالم عن ابیہ عن عمر بن خطابؓ کے طرف سے نقل کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے جو جمعہ کو آئے وہ دھوئے (نہائے)“

متن حدیث کی شرح:

ابن عبد البر متن حدیث کی شرح کے وقت کئی پہلوؤں پر زور دیتے ہیں جن کو ہم ذیل میں اختصاراً ذکر کرتے ہیں:

- ان فضائل کا استخراج جو حدیث سے مستفاد ہیں۔
- حدیث میں آئے ہوئے غیر مانوس اور مشکل الفاظ کی تشریح۔
- ان آثار کا ذکر جو حدیث باب کے معنی میں وارد ہوئے ہوں۔
- حدیث میں وارد مسائل کے اندر صحابہؓ کے مختلف اقوال کا ذکر پھر فقہا اور اصحاب فقہا کے مسالک کا ذکر، اس کو بغیر کسی تعصب کے پوری صفائی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔
- احادیث کے درمیان ترجیح دیتے وقت، اپنے مخالفین پر کیچڑ اچھالے بغیر اپنی درست رائے کا اظہار۔

احادیث کی تشریح کے سلسلے میں حافظ ابن عبد البر کے اسلوب کی پوری وضاحت ہو جائے اس کے لیے ذیل میں ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں:

ابن شہاب سے امام مالک کی روایت جو سعید بن المسیب اور ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن کے طرق سے کہ ان دونوں حضرت ابو ہریرہ سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”**إذا أمن الإمام فأمنوا فإنه من وافق تامينه تامين الملائكة غفرله ماتقدم من ذنبه**“ (جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو اس لیے کہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کے ساتھ ساتھ ہو تو اس کے گذشتہ گناہ معاف کردیے جاتے ہیں)۔

سند حدیث سے متعلق کلام کرنے کے بعد ابن عبد البر فرماتے ہیں:

فقہ کی رو سے اس حدیث میں نماز میں سورہ فاتحہ کی قرأۃ کا ثبوت ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا مطلب ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہے۔اس کے چند دلائل بھی ہیں جنہیں ہم جلد ہی ان شاء اللہ اپنی اس کتاب کے باب علاء بن عبدالرحمٰن میں ذکر کریں گے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو نقل کریں گے:"**کل صلاة لایقرأ فیھا بأم القران فھی خداج**" (ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ کی قرأت نہ ہو وہ ناقص ہے)اور ہم نے جو کہا کہ اس میں سورہ فاتحہ کی قرأۃ کی دلیل وہ حضور کی اسی ارشاد کی وجہ سے"**إذا أمن الإمام فأمنوا**"۔

یہ تو واضح بات ہے کہ تامین کسی شخص کا آمین کہنا ہے اپنی یا دوسرے کے دعا کرتے وقت۔اور علما کے نزدیک آمین کا مطلب ہے:"**اللھم استجب دعائنا**" (خدایا ہماری دعا قبول فرما!)اور یہ قاری کے **اھدنا الصراط المستقیم** سے **ولا الضالین** تک کی قرأت سے خارج ہے؛اس لیے کہ یہ تو وہ دعا ہے جس پر آمین کا وقوع ہوتا ہے۔ابوصالح عن ابی ہریرۃؓ کے طریق سمی کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو نہیں دیکھتے جس میں آپ نے فرمایا:"**إذا قال الإمام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا آمین**" اور یہ ایسی واضح اور صاف بات ہے کہ مزید کلام کی ضرورت ہی نہیں،اور اس پر تو علما کا اجماع ہے کہ نماز میں کہیں کوئی آمین نہیں ہے سوائے سورہ فاتحہ کے ختم کے وقت،اور ہمارے ذکر کردہ مفہوم میں کوئی اختلاف نہیں ہے؛ہاں اس صورت میں ہمیں آیت قرآنی کی ضرورت ہے:

جب اللہ عزوجل کا ارشاد:"**یا أیھا الذین امنوا اذا نودی للصلاة من یوم الجمعة**" اس کی بات کی دلیل ہے کہ جمعہ کے دن اذان ضروری ہے اور اس کی دلیل کہ یہ خبر ہے۔ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان"**إذا أمن الإمام**" یعنی"**ولا الضالین**" کے بعد "**فأمنوا**" دلیل ہے اس بات پر کہ ہر نماز سورہ فاتحہ کی قرأۃ ضروری نہیں ہے۔

اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد:"**لاصلاة لمن لایقرأ فیھا بفاتحة الکتاب**" کے ساتھ یہ ان لوگوں کے قول کو بھی باطل کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ نماز سورہ

فاتحہ کے بغیر ہو جاتی ہے۔

اس سلسلے میں اختلاف کو بھی ان شاء اللہ ہم ذکر کریں گے اور علا بن عبد الرحمٰن کی حدیث کے ضمن میں اس کی دلیل بھی پیش کریں گے کہ ہم نے اپنی کتاب میں اسے کیوں اختیار کیا۔

لفظ آمین میں دولغات ہیں: مد کے ساتھ اور قصر یعنی بغیر آمین کے جیسے اُوّہ - وآہ.

شاعر نے کہا:؎ **ویرحم الله عبداً قال آمین.**

دوسرے شاعر نے کہا ؎

تباعد عني فحطل إذا دعوته

أمين فزاد الله مابيننا بعدا

(یعنی پہلے نے مد کے ساتھ آمین کہا اور دوسرے نے آمین قصر کے ساتھ کہا)۔

اور یہ بھی عیاں ہے کہ مقتدی کی تامین اس کا آمین کہنا ہے۔ ایسے ہی امام کو بھی کرنا چاہئے؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ میں دونوں کو برابر کی حیثیت دی ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ جب امام دعا کرے تو تم آمین کہو۔ اور اس مقام پر علما کا اختلاف ہے۔

ابن قاسم اور مالکؒ کے مصری شاگردوں نے روایت کی ہے اور ان کی دلیل ابو صالح عن ابی ہریرۃؓ کے طریق سے سمی کی ظاہری حدیث ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام **غیر المغضوب علیھم ولا الضالین** کہے تو تم آمین کہو............راویوں نے کہا کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ امام **ولا الضالین** کی قرأۃ پر اکتفا کرے اور اس پر زیادہ نہ کرے۔ اور مقتدی صرف آمین کہے گا۔ راویوں نے کہا:

چوں کہ جس طرح لغت میں آمین کو دعا کہا جا سکتا ہے اسی طرح دعا کو بھی آمین کہا جا سکتا ہے۔ اور انھوں نے اس ارشاد باری سے استدلال کیا ہے "**قد أجيب دعوتكما فاستقيما......**"۔

یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت موسیٰ وہارون علیہ السلام سے مخاطب ہیں۔

اس میں مفسرین متفق ہیں کہ موسیٰؑ دعا کررہے تھے اور ہارونؑ آمین کہہ رہے تھے تو اللہ رب العزت نے "**قد اجیبت دعوتکما**" فرمایا۔

ابوعمر (ابن عبدالبر) نے کہا: یہ جو کچھ ان راویوں نے کہا اس میں کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ لغت میں اس کا کوئی ثبوت ہے کہ دعا کو آمین کہا جاتا ہو۔ اگر ان کے دعویٰ کو صحیح تسلیم کربھی لیا جائے تو اتنا کہا جاسکتا ہے کہ آمین دعا کے معنی میں ہے اور جہاں تک دعا کو آمین کہنے کی بات ہے اس کا ثبوت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو صرف "**قد أجیبت دعوتکما**" کہا ہے نہ کہ "**اجیبت تأمینکما**" لہٰذا: جو دعا کو آمین کہتے ہیں وہ کم علم اور تنگ نظر ہیں۔ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ "**اجیبت دعوتکما**" کہا گیا کیوں کہ دعا ان دونوں کے لیے تھی، اور اس کا نفع دونوں کے دشمنوں سے انتقام لینے کی صورت میں ان دونوں کی طرف لوٹتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "**اجیبت دعوتکما**" کہا اور "**دعوتاکما**" نہیں کہا۔ اگر آمین دعا ہوتی تو "**قد اجیبت دعوتاکما**" کہا جاتا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آمین کہنے والے کو دعا کرنے والا کہا جائے؛ اس لیے کہ آمین کے معنی ہی "**اللھم استجب لنا**" ہے جیسا کہ اس کا ذکر گزر چکا ہے اور یہ دعا ہے اور دعا کو آمین کہنا صحیح نہیں ہے (واللہ اعلم بالصواب)۔

اور یہ بھی واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: "**إذا أمن الإمام فأمنوا**" سے مراد یہ نہیں ہے کہ امام کی طرح تم بھی دعا کرو اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ مقتدی سے صرف آمین کہلوانا اصل منشا ہے اور اس پر علما کا اجماع ہے۔ ایسے ہی امام سے بھی فقط آمین کہلوانا اصل ہے نہ کہ تلاوت کے ذریعے دعا؛ اس لیے کہ حدیث کے الفاظ ان دونوں (امام ومقتدی) کے حق میں یکساں ہیں، لہٰذا امام ومقتدی کی تامین یعنی آمین کہنے کی نوعیت بالکل ایک ہے، اس کے وجوب کا پتہ تو ظاہر حدیث سے چل رہا ہے تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوسکتا ہے کہ آپ سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہتے تھے۔ اس نص سے اشکال واعتراض ختم ہوجاتا ہے

اور جمہور علمائے اسلام کا یہی قول ہے۔ بعض وہ حضرات جو اس بات کے قائل ہیں کہ امام مالک اس کو اہل مدینہ سے روایت کرنے والے ہیں، عبدالملک بن ماجشون، مطرف بن عبداللہ، ابو مصعب، زہری اور عبداللہ بن نافع ہیں اور ان حضرات کا بھی وہی قول ہے، انھوں نے کہا: امام و مقتدی دونوں آمین کہتے تھے اور اسی کے قائل امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، امام ثوری، حسن بن حی، ابن مبارک، احمد بن حنبل، اسحاق، ابوعبید، ابوثور، داؤد، طبری اور اہل اثر کی ایک جماعت، اس لیے کہ یہ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت وائل بن حجر کے واسطے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

اہل کوفہ اور بعض اہل مدینہ کی رائے ہے کہ آمین جہراً کہی جائے گی اور یہی رائے امام طبری کی بھی ہے، اور امام شافعی اور ان کے اصحاب نیز ابوثور، احمد اور اہل اثر کی رائے ہے کہ اس کو جہراً کہا جائے گا۔

اس کے بعد ابن عبدالبر نے اپنی سند سے چند احادیث بیان کیں جو آمین بالجہر کے قائلین کی تائید کرتے ہیں، ان میں سے ایک ابوہریرہؓ کی ایک حدیث ہے، فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم **غیر المغضوب ...... ولا الضالین** کی تلاوت کے بعد آمین کہتے یہاں تک کہ پہلی صف میں کھڑے صحابہ اس کو سنتے۔ عبدالرزاق جریج کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں نے عطا سے کہا: ابن زبیر اور ان کے مقتدی اس قدر بلند آواز سے آمین کہتے کہ مسجد گونج اٹھتی؟ عطا نے کہا: ہاں۔ امام احمد بن حنبلؒ آمین بالجہر کو ناپسند کرنے والوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے، وہ فرماتے کہ آپ کا ارشاد ہے: یہودیوں کو ہمارے آمین کہنے پر بے انتہا حسد اور چڑھ ہے۔

اس حدیث میں جہاں تک آپ کے ارشاد: ''**من وافق تأمينه تأمين الملائكة غفر له ماتقدم من ذنبه**'' کی بات ہے تو اس میں چند اقوال ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ جس نے صاف دل اور سچی نیت

سے اخلاص کے ساتھ آمین کہی وہ نہ تو غافل ہے اور نہ لاپرواہ؛ لہٰذا: اس کی آمین آسمانی فرشتوں کے برابر ہوجاتی ہے، یہ فرشتے زمین والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں اور ان کے لیے حضور قلب سے صدق نیت کے ساتھ دعائیں کرتے ہیں، ان کی مغفرت کردی جاتی ہے جب وہ اخلاص کے ساتھ دعا کرتے ہیں۔

علماء نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ارشاد: "**إذا دعا أحدكم فليجتهد وليخلص، فإن الله لايقبل الدعاء من قلب لاه**" سے استدلال کیا ہے۔ فرمایا: دعا میں جد جہد کرو؛ تاکہ تمہارے لیے قبولیت کے قابل ہوجائے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد: "**فمن وافق تأمينه تأمين الملائكة**" سے ان لوگوں کو مراد لیا ہو کہ جو لوگ اخلاص کے ساتھ دعا کرتے ہیں ان کی مغفرت کردی جاتی ہے، اور یہ دور کی کوڑی ہے۔

اور دیگر بعض علماء نے یہ رائے ظاہر کی کہ اس حدیث سے آپ کا قصہ ایمان والوں کو دعا پر ابھارنا ہے؛ اس لیے کہ فرشتے زمین پر بسنے والے اہل ایمان کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں، چنانچہ جس نے اپنی نماز میں دوسرے مؤمن بھائیوں کے لیے دعا کی اس کی مغفرت ہوگئی؛ کیوں کہ اس کی دعا اب مومنین کی مغفرت چاہنے والے فرشتوں کی دعا کے ساتھ شامل ہوگئی، اور "**اهدنا**" میں داعی اور اس کے ہم مذہب کی دعا ہے اور اس پر تامین ہے؛ اس لیے کہ اس کو اس پر مامور کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور کچھ علما نے یہ کہا کہ محافظ اور حساب و کتاب لکھنے والے فرشتے اور صبح و شام آنے جانے والے فرشتے، مومنین کے ساتھ نماز میں حاضر ہونے کی وجہ سے، قاری کے "**ولا الضالين**" کہتے وقت آمین کہتے ہیں، چنانچہ جس نے ان کا ساعمل کیا اس کے لیے پروانۂ مغفرت ہے، اسی لیے مؤمنین کو آمین کی تلقین کی گئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: "**و إن عليكم لحافظين كراما كاتبين**" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "**يتعاقب فيكم ملائكة بالليل والنهار فيجمعون عند صلاة العصر وصلاة الفجر**" (الحدیث)۔

اگر یہ کہا جائے کہ ابو الزناد عن اعرج عن أبی ہریرہ کے طریق سے امام مالکؒ کی حدیث ہے کہ تم میں سے جب کوئی آمین کہتا ہے تو فرشتے بھی آسمان میں آمین کہتے ہیں، اس طرح سے دونوں کی تأمین مل جاتی ہے اور اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اور یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ محافظین ملائکہ اور صبح و شام منتقل ہونے والے فرشتے مراد نہیں ہیں؛ اس لیے کہ وہ تو مؤمنین کے ساتھ زمین پر حاضر ہوتے ہیں نہ کہ آسمان میں، کہا جائے گا کہ فرشتوں کی صحیح صورت حال سے ہم واقف نہیں ہیں۔ اور اس کی کیفیت کی بھی ہم تعیین نہیں کر سکتے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اوپر یا سروں پر رہتے ہوں، اگر ایسا ہے تو زمین کے علاوہ اوپر کا سارا حصہ آسمان ہی ہے۔ عربوں کی عادت ہے کہ وہ بارش کو آسمان کا نام دیتے ہیں؛ اس لیے کہ اس کا منبع آسمان ہی ہے اور موسم بہار کو بھی سما کہتے ہیں؛ کیوں کہ وہ آسمان سے برسنے والی بارش کے ذریعے ہی وجود پذیر ہوتا ہے، اور شئ کو قربِ شئ کا نام تو دیا ہی جاتا ہے۔ شاعر کا شعر ہے ۔

إذا نزل السماء بأرض قوم

رعيناه وإن كانوا غضابا

تو آسمان سے ہونے والی بارش اور اس سے پیدا ہونے والی چیز کو سما کہا گیا اور زیادہ بہتر تو اللہ ہی کو علم ہے کہ اس کے رسول نے ''فی السماء'' کے لفظ سے کیا مراد لیا اگر انھوں نے کہا تب؛ ورنہ تو خبر آحاد قطعی نہیں ہوتیں۔

اسی طرح خدائے وحدہ لاشریک اپنے نبی کے ارشاد کے حقیقی معنیٰ کو جاننے والے ہیں اور وہ ارشاد ''فمن وافق تامینہ الخ'' ہے، اور اس کی تردید نہیں کی جا سکتی کہ آمین کہنے والے آسمانی فرشتے ہیں۔ حکم بن ابان سے ابن جریج نے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت عکرمہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب اقامتِ صلوۃ ہوتی ہے تو زمین والے آسمان والوں کی طرح صف بستہ ہو جاتے ہیں، ایسے ہی جب اہل زمین ''ولا الضالین'' کہتے ہیں تو فرشتے آمین کہتے ہیں۔ چنانچہ جب اہل زمین کی آمین زمین آسمان والوں کے آمین موافق ہوگئی تو اب اس کے

بدلے زمین والوں کے پچھلے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔

ہم نے جو کچھ بھی ذکر کیا خواہ وہ خود میری بات ہو یا علما کے اقوال ہوں اس میں کمی واقع ہوسکتی ہے۔ اور اللہ ہی کے قبضۂ وقدرت میں ہماری عزت و ناموس اور توفیق ہے۔ مذکورہ حدیث میں بھی اس کی دلیل ہے کہ اچھے اعمال سے گناہ دھلتے ہیں، اس سلسلے میں اللہ پاک کا ارشاد: ''إن الحسنات يذهبن السيئات'' (نیکیاں برائیوں کو کھا جاتی ہیں) کافی ہے، اور اس معنی میں مکمل بحث ہماری اس کتاب (تمہید) کے باب زید بن اسلم میں گزر چکی ہے۔

موطا کی شرح احادیث کے سلسلے میں حافظ ابن عبد البر کے منہج کے توضیحی مثال کے بعد ذیل میں ہم ان اہم نکتوں کو ذکر کریں گے جن سے کتاب التمہید کے امتیاز کا پتہ چلتا ہے۔

کتاب التمہید کی خصوصیات وامتیازات:

حافظ ابن عبد البر کی کتاب ''التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد'' کے منہج اس جائزہ اور تحقیق کے بعد ذیل میں ہم ان خصوصیات کا تذکرہ کریں گے جو اسے نمایاں مقام عطا کرتی ہیں:

۱- امام مالکؒ کے شیوخ کی سند اور موطا کی تخریج کے حوالے سے تمہید کو ایک اعتبار حاصل ہے۔

۲- ابن عبد البر اپنی استدلال کردہ بیشتر احادیث کو سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

۳- کتاب التمہید میں ذکر کردہ ابن عبد البر کے اکثر حوالے تمہید ہی تک محدود ہیں کبھی کبھی وہ ''کتاب استذکار''، ''جامع بیان العلم وفضلہ'' اور استیعاب کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔

۴- فقہی مسائل میں موضوع کی یکجائی کا تمہید میں فقدان ہے اور یہ مؤلف کا امام مالک کے شیوخ کے نام کے مطابق موطا کی احادیث کو مرتب کرنے کا نتیجہ ہے۔

۵- ابن عبد البر نے امام کے بلاغات اور مرسلات کی شرح میں زیادہ وسعت سے کام

نہیں کیا ہے اور ان روایات کے متصل ہونے اور ان مبہمات کی وضاحت پر اکتفا کیا ہے۔

۴-ابن عبدالبر کی مذکورہ کتاب ''تمہید'' کے مصادر و مراجع:

حدیث، فقہ اور لغت جیسے مختلف علوم و فنون کی شکل میں ابن عبدالبر کے مصادر میں اس قدر تنوع ہے کہ اس کا احاطہ دشوار ہے، خاص بات یہ ہے کہ عبدالبر اکثر مصنفین کا نام تو درج کرتے ہیں؛ لیکن ان کی کتابوں کا تذکرہ چھوڑ دیتے ہیں جن سے انہوں نے کچھ استفادہ کیا ہے، اس جگہ قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ ابن عبدالبر اپنے معاصرین مصنفین کی کتابوں کو کم ہی ہاتھ لگاتے ہیں، اس کے علاوہ ان کے اصل مصادر کا بیشتر تعلق چوتھی صدی ہجری سے پہلے سے ہے۔
ذیل میں مشہور مراجع کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱-قرآن کریم
۲-اخبار ابی طالب وبنیہ للمدائنی
۳-کتاب الاشربہ لابن شعبان
۴-الاستذکار لابن عبدالبر
۵-اصل سماع والدہ
۶-کتاب الاصول للشافعی
۷-الاملاء لیعقوب بن ابراہیم
۸-بیونات العرب للہیثم بن عدی
۹-تاریخ احمد بن زہیر
۱۰-تاریخ السراج
۱۱-تاریخ الرجال للطبری
۱۲-التاریخ الکبیر للبخاری
۱۳-التاریخ الکبیر للعقیلی
۱۴-التاریخ الکبیر للواقدی
۱۵-تفسیر الطبری
۱۶-تفسیر غریب الموطأ لابن حبیب
۱۷-کتاب التمیز للامام مسلم
۱۸-تہذیب الآثار للطحاوی
۱۹-جامع بیان العلم لابن عبدالبر
۲۰-جامع الفقہ لابن قتیبہ
۲۱-حدیث مالک لاسماعیل القاضی
۲۲-الاختلاف لابن خویز منداد
۲۳-الدماء: للإمام الشافعی
۲۴-دیوان ابن الرومی
۲۵-دیوان جریر
۲۶-دیوان حسان بن ثابت

۲۷-دیوان عنترہ بن شداد
۲۸-دیوان الفرزدق
۲۹-دیوان النابغہ ذبیانی
۳۰-الردہ لیعقوب زہری
۳۱-السنن لابن ابی داؤد بجستانی
۳۲-السنن للزبیر بن بکار
۳۳- السنن لسعید بن منصور
۳۴-سنن النسائی للنسائی
۳۵-السیر لمحمد بن الحسن
۳۶-شرح معانی للطحاوی
۳۷-علل الترمذی للترمذی
۳۸-العلل للدارقطنی
۳۹-علم الفقہ لداؤد بن علی
۴۰-العین: للخلیل بن احمد
۴۱-کتاب فی الصحابہ للعقیلی
۴۲-صحیح البخاری للبخاری
۴۳-صحیح مسلم بن الحجاج
۴۴-الطبقات لابن سعد
۴۵-الکتاب لسیبویہ فی اللغۃ
۴۶-الکتاب للفراء فی اللغۃ
۴۷-الکفارات للإمام الشافعی
۴۸-المبسوط لاسماعیل بن اسحاق
۴۹-المجالس لعبداللہ بن وہب
۵۰-المجتنی لقاسم بن اصبغ
۵۱-المختصر الکبیر لابن عبدالحکم
۵۲-المختصر الکبیر للبوبطی
۵۳-المدونہ لسحنون
۵۴-المستخرجہ للعتبی
۵۵-مسند احمد بن حنبل
۵۶-مسند اسد بن موسیٰ
۵۷-مسند حدیث مالک لخلف بن قاسم
۵۸-مسند حمیدی
۵۹-مسند سعید بن السکن
۶۰-المسند الکبیر لأحمد البزار
۶۱-مسند محمد بن سنجر
۶۲-مسند مسدد بن مسرہد
۶۳-المعرفہ للحسن بن علی الحلوانی
۶۴-مصنف أبی بکر بن ابی شیبہ
۶۵-مصنف عبدالرزاق بن ہمام
۶۶-مصنف قاسم بن اصبغ
۶۷-مصنف وکیع بن الجراح
۶۸-الموجز لأحمد بن محمد الداودی

٦٩-موطأ أبو مصعب احمد بن ابی بکر
٧٠-موطأ اسماعیل العجلی
٧١-موطأ بن بکیر
٧٢-موطأ بن غفیر
٧٣-موطأ بن نافع
٧٤-موطأ بشیر بن عمر الزہرانی
٧٥-موطأ زید بن الحباب
٧٦-موطأ عبد الرحمٰن بن القاسم
٧٧-موطأ عبد اللہ بن المبارک
٧٨-موطأ القعنبی عبد اللہ بن مسلمۃ
٧٩-موطأ عبد اللہ بن وہب
٨٠-موطأ عتیق بن یعقوب زبیری
٨١-موطأ محمد بن ادریس شافعی
٨٢-موطأ محمد بن الحسن شیبانی
٨٣-موطأ معن بن عیسیٰ بن دینار
٨٤-موطأ مصعب بن عبد اللہ بن ثابت
٨٥-موطأ مطرف بن عبد اللہ
٨٦-موطأ یحی بن سعید قطان
٨٧-موطأ یحی بن یحی لیثی
٨٨-الانتفاع بجلو دالمیتۃ للمروزی
٨٩-نسب قریش لمصعب الزبیری
٩٠-الواضحہ لعبد اللہ بن حبیب

یہ سب اس وجہ سے ہے کہ کتاب التمہید نے علما کی نگاہ میں بڑی مقبولیت حاصل کی جو کسی دوسری کتاب کا حصہ نہ بن سکی؛ اس لیے اس کا شمار ان بہترین کتابوں میں ہوتا ہے جن کے ذریعے امام مالکؒ کی موطأ کی شرح کرنے کی توجہ دی گئی۔

ابو محمد علی بن احمد بن حزم اندلسی کہتے ہیں: فقہ الحدیث پر گفتگو کے سلسلے میں ہمارے رفیق ابو عمر کی تمہید کی شاندار مثال میرے علم میں نہیں تو اس سے اچھی کتاب کوئی کیا ہو سکتی ہے''۔

دوسرے: کتاب ''**تجرید التمهید لما فی الموطأ من المعانی والأسانید**'' **أو** ''**التقصی لحديث الموطأ وشيوخ الإمام مالک**''۔

حافظ ابن عبد البر کی کتاب التمہید کا ایک مقدمہ بھی ہے جس میں مؤلف نے موطأ کی احادیث جمع کی ہیں اور انہیں امام مالک کے شیوخ کی ترتیب کے اعتبار سے مرتب کیا ہے۔

ابن عبد البر نے ''التقصی'' کے مقدمہ میں لکھا ہے: ''جب ہم نے تمہید میں سنن کے

معانی، ان کے اسباب اور اس میں علما کے مذاہب کی وسعت کا ذکر کیا، اس طرح شرح پھیلتی گئی اور اس استدلال کی طوالت الگ، ہمیں اس کا بھی احساس تھا کہ بیشتر لوگوں میں ہمت کی کمی اور بد دھیانی ہوتی ہے جو انہیں طلب راحت یا تنگیٔ معیشت کی وجہ سے اختصار پر قناعت کرنے پر آمادہ کرتی ہے، تو ہم نے مناسب سمجھا کہ ان سنن کو علیحدہ کرلیں جنہیں ہم نے اصل کتاب قرار دیا تھا اور وہی سنن ہے جو امام مالکؒ سے نقل ہوتی ہوئی آ رہی ہے؛ اس لیے کہ انھوں نے اس کو منتخب کیا، اس کو چھانا پھٹکا، اس میں اجتہاد کیا اس پر اپنے موطأ میں اعتماد بھی کیا۔ اس کتاب میں میں نے موطأ کی ہر قسم کی حدیث الگ کرلی خواہ مسند ہو یا مرسل یا متصل ہو یا منقطع، اس لیے کہ یہ سب کی سب امام مالک، ان کے شاگردوں اور ان کی پیروی کرنے والوں کے نزدیک حجت اور قابل عمل ہے۔

ہم نے اس کو امام مالک کے شیوخ کے ناموں میں حروف تہجی کی ترتیب پر لکھا ہے تاکہ اس کے ڈھونڈنے میں آسانی اور استفادہ میں سہولت ہو، میں نے مسند و متصل کو پہلے ذکر کیا پھر درجہ وار مرسل و منقطع اور بلاغات کا تذکرہ کیا؛ تاکہ موطأ میں ذکر کردہ تمام حدیثوں سے مکمل فائدہ حاصل ہو سکے، اور میں نے اس کو کتاب التمہید تک پہنچنے کا بہترین راستہ، حفظ کے لیے انتہائی آسان اور خلط ملط سے محفوظ، مہذب، فہم سے قریب خلاصہ بنا دیا ہے۔ ایک چیز جو لوگوں کے لیے دشواری پیدا کرسکتی ہے وہ ہے علت اسناد یا معنیٰ کا جھول یا پھر کوئی غیر واضح سبب، اس کے حل کے لیے ایسے حضرات کو جو کتاب التمہید کے متعلق باب سے رجوع کرے انہیں وہاں مفصل وضاحت مل جائے گی۔ مزید اضافہ سے گریز کرتے ہوئے مختصراً، اس کتاب میں، مرسل و متصل روایات میں مالک کے رواۃ کے مابین اختلافات پر جگہ جگہ تنبیہ کی گئی ہے''۔

ابن عبدالبر کی کتاب التقصی کے اسلوب کی تلخیص اس طرح کی جاسکتی ہے!

- ہر باب کے شروع میں امام مالکؒ کے شیوخ کا تعارف، پھر ان کے نام، نسب، کنیت اور ان کے شیوخ کا تذکرہ ہے۔

- امام مالک کے شیوخ کی حدیث کی ان کے شیوخ کے اعتبار سے ترتیب۔

-اس کے بعد امام مالک کے ان شیوخ کی احادیث جو کنیت سے معروف ہیں۔

-مرفوع حدیث اور اس کے حکم کے ذکر کے بعد احادیث مرسلہ اور بلاغات کا تذکرہ۔

- یحی بن یحی لیثی کی روایت کردہ احادیث کے ذکر کے بعد ان زیادات کا ذکر ہے جنہیں دوسرے رواۃ موطأ نے روایت کی ہے، اور ان احادیث کا ذکر جو یحی بن یحی کی روایت میں نہیں ہے۔ ان زیادات کی ترتیب کا منہج بھی امام مالک کے شیوخ کی ترتیب کے اعتبار سے ہے۔

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کردینا ضروری ہے کہ اس کتاب کو کتاب التمہید کا اختصار یا خلاصہ نہیں سمجھنا چاہئے؛ بلکہ یہ احادیث پر مشتمل اور متن کی شرح کیے بغیر ایک مستقل کتاب ہے، ہاں مؤلف نے اس میں اختلافِ روایات کا ذکر ضرور کیا ہے۔

دنیا کی بہت سی لائبریریوں میں ''التقصی'' کے مختلف نسخے پائے جاتے ہیں، بطور مثال یہاں چند نسخوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

-شیخ الاسلام عارف کے خزانہ کتب میں موجود ایک نسخہ جس کا مدینہ منورہ میں بڑا غلغلہ رہا ہے اور یہ وہی نسخہ ہے جس پر اس کتاب کی تحقیق وطباعت میں مکتبہ قدسی نے اعتبار کیا۔

- دوسرا نسخہ دار الکتب المصریہ قاہرہ میں ہے، اور اشاعتی ادارہ ''منیریہ'' کی نگرانی میں ۱۳۴۳ھ میں اسکی طباعت ہوئی۔ پھر ۱۳۵۰ھ میں دوبارہ مکتبہ قدسی نے اسے شائع کیا۔

تیسری کتاب ''**الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار وعلماء الأقطار فيما تضمنه الموطأ من معانى الرأى والأثار وشرح ذلک كله بالإيجاب والاختصار**''۔

کتاب التمہید کے بعد امام مالک پر لکھی ابن عبدالبر کی یہ دوسری شرح ہے۔

مذکورہ بالا کتاب تمہید سے کافی ضخیم ہے، یہ اس وجہ سے ہے کہ مؤلف نے اس میں متصل، مرسل، بلاغات اور آثار تمام احادیث کو جمع کیا ہے اور یہ موطا سے کوئی الگ چیز نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ موطأ میں موجود ہر قسم کی حدیث کو وہ جمع کیے ہے۔

ترتیب وشرح کے اعتبار سے ابن عبد البر نے اپنی اس کتاب میں کتاب التمہید سے ہٹ کر ایک الگ راہ اختیار کی ہے۔

حافظ ابن عبد البر کی کتاب الاستذکار کا نہج واسلوب:

ابن عبد البر نے اپنی کتاب ''الاستذکار'' میں مندرجہ ذیل خطوط اختیار کیے ہیں:

۱- موطأ میں آنے والے حدیث باب سے کتاب کی ابتدا کرتے ہیں، اس کے بعد حدیث باب کے معنی میں جو حدیث ہے اس کو لاتے ہیں اور یہ سلسلہ بیشتر بغیر سند کے ہوتا ہے۔

۲- اختصار کے ساتھ سند حدیث پر گفتگو فرماتے ہیں اور مزید توضیح کی جستجو رکھنے والے کے لیے کتاب التمہید کا حوالہ دیتے ہیں۔

۳- نامانوس اور پیچیدہ الفاظ کی تشفی بخش شرح کرتے ہیں، پھر حدیث میں مذکور اس کے مدلول پر تنبیہ کرتے ہیں اور ہر ایک کے لیے قرآنی آیات، احادیث شریفہ، اشعار اور عربی زبان کے ماہرین کے اقوال سے استدلال پیش کرتے ہیں۔

۴- اپنی رائے کے ساتھ ساتھ حدیث سے مستنبط مسئلہ میں امام مالک کے شاگردوں کے مختلف اقوال کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

۵- اس کے بعد وہ اس مسئلہ میں علما وفقہاء کے اقوال بھی ذکر کرتے ہیں، اس جگہ وہ ہر فرقہ کی دلیل بھی لاتے ہیں خواہ وہ غیر معتبر ہی ہو اس کے بعد کمزور دلائل پر ایسی چیز کا اضافہ کرتے ہیں جو وہاں اس کی وضاحت کرے۔

اس طرح سے ان کے مذہب کی تائید میں وہ صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ ایسی دلیل بھی لاتے ہیں جو مسلک مالکی کے مخالفین کی رائے کو تقویت دے، اور یہ سب کچھ بغیر کسی تعصب کے پوری صفائی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

۶- کبھی کبھی اصحاب مالکیہ سے بعض ان مسائل میں اختلاف کرتے ہیں جن میں ان

کے نزدیک یہ بات روشن ہوگئی ہو کہ حق ان کے علاوہ دوسروں کے ساتھ ہے۔

کتاب الاستذکار کے حوالہ سے ابن عبد البر کے طرز نگارش کے عناصر کے اس مختصر جائزے کے بعد ہم بعض ان خصوصیات کا تذکرہ کریں گے جن سے اس کتاب کو نمایاں حیثیت و مقام حاصل ہے۔ وہ خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- ابن عبد البر نے مؤطا سے ہٹ کر کوئی الگ فلسفہ پیش نہیں کیا؛ کیوں کہ انھوں نے متصل و مرسل احادیث، بلاغات و آثار اور امام مالک کے اقوال و فتاوی سب کا ذکر کیا ہے۔

۲- احادیث سے استدلال کے وقت سند کا تذکرہ نہیں کرتے ہیں اور مزید توضیح کے طالب کو تمہید کا حوالہ دیتے ہیں۔

۳- فقہی ابواب کے رو سے ابن عبد البر نے اپنی کتاب ''استذکار'' میں موطأ کی ترتیب کی راہ اپنائی ہے، اور اسی بنیاد پر ایک باب کے احادیث کی اس طرح شرح کی ہے جو وحدتِ موضوع کو شامل ہو جائے۔

۳- ابن عبد البر اکثر کتاب التمہید کا حوالہ دیتے، خاص طور پر جہاں سند کی بات آتی ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ ابن عبد البر نے پہلے ''تمہید'' پھر ''الاستیعاب'' لکھی، اور اس کی بنیاد پر اہل علم کی ایک جماعت کی طرف سے یہ درخواست ہوئی کہ ان کے لیے موطأ کے ابواب کے طرز پر کتاب ''تمہید'' ترتیب دی جائے، اور انھوں نے مکرر آنے والے شواہد کو چھوڑ دیا۔

ایک وضاحتی مثال

باب العمل فی المسح علی الخفین:

حافظ ابن عبد البر باب کی حدیث سے اس کی ابتدا کرتے ہیں:

۱- ہشام بن عروہؒ سے امام مالک نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے والد کو خفین پر مسح

کرتے دیکھا، کہا: وہ خفین پر مسح کرتے وقت اس سے زیادہ نہیں کرتے تھے کہ دونوں پاؤں کے اوپری حصہ پر مسح کرتے تھے اراوس کے نچلے حصہ پر مسح نہیں کرتے تھے۔

۲- مالکؒ فرماتے ہیں کہ انھوں نے ابن شہاب سے مسح علی الخفین کے بارے میں دریافت کیا کہ اس پر مسح کیسے کیا جائے؟ تو ابن شہاب نے اپنے ایک ہاتھ کو خف کے نیچے اور ایک ہاتھ کو اس کے اوپر رکھ کران دونوں کو گزارا۔ امام مالک نے فرمایا: اس سلسلے میں جو کچھ میں نے سنا ان میں ابن شہاب کا قول میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

ابن عبد البر نے کہا: امام مالکؒ کا قول ابن شہاب کے بیان مسح علی الخفین سے مختلف نہیں ہے؛ مگر ہاں امام مالک صرف خفین کے اوپری حصہ پر مسح کرنے والے پر اعادہ کو واجب قرار نہیں دیتے، ہاں اگر نماز کا وقت باقی ہو تو اعادہ کرلے۔ جس نے محض اوپری حصے پر اکتفا کیا اور اسے وقت کے اندر ہی اندر یاد آ گیا تو وہ خفین کے اوپر اور نیچے دونوں حصوں پر مسح کرلے پھر نماز کا اعادہ بھی اسی وقت میں کرلے۔ یہی قول ابن قاسم اور جمہور اصحاب مالک کا ہے سوائے ابن نافع کے؛ اس لیے کہ وہ ایسے شخص پر وقت کے اندر بھی اور وقت نکل جانے کے بعد بھی مسح کے اعادہ کے قائل ہیں۔

یہ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ جس نے ظاہر خف کو چھوڑ کر نچلے حصہ پر مسح کیا تو ہر حال میں اسے اعادہ کرنا ہوگ۔؛ مگر اشہب کہتے ہیں: اس سے بھی اعادہ لازم نہیں ہے مگر وقت کے اندر اندر ہو تو اعادہ ضروری ہے۔

بعض اصحاب شافعی سے مروی ہے کہ امام شافعی نے ظاہر حصہ کو چھوڑ کر خف کے نچلے حصہ پر مسح کو جائز قرار دیا ہے؛ لیکن امام شافعی کی صراحت موجود ہے کہ خف کے نچلے حصے پر مسح کافی نہیں اور کافی صرف اس کے اوپری حصے پر ہے، اور مستحب یہ ہے کہ کوئی خفین کے ظاہر و باطن کے مسح سے ایک کم نہ کرے، جیسا کہ مالک و ابن شہاب کا قول ہے، اور یہی قول عبداللہ بن عمرؓ کا بھی ہے۔

ابن جریج عن نافع عن ابن عمر کے طریق سے عبدالرزاق نے لکھا ہے کہ ابن عمر اپنے

خفین کے نچلے حصہ کا مسح کرتے تھے، اسی کو ثوری نے ابن جریج سے اور ابن وہب اسامہ بن زید عن نافع عن ابن عمر کے طریق سے نقل کیا ہے کہ وہ خفین کے اوپری اور نچلے دونوں حصوں کا مسح کرتے تھے، زبیدی نے زہری سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: وہ دونوں تو تمہارے دونوں کی طرح ہے جب تک تم خفین پہنے رہو۔

ابن عبدالبر کے فقہا کی مختلف آراء اور مسئلہ میں صحابہ کی مرویات کے ذکر کرنے کے بعد ہر مسلک کے دلائل کی طرف جاتے ہیں۔

فرماتے ہیں: خفین کے اوپری و نچلے حصے پر ایک ساتھ مسح کے سلسلے میں امام مالکؒ و شافعیؒ کی دلیل: ''حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خف کے نیچے اوپر دونوں کا مسح کرتے تھے''۔ اسی کو ثور بن زید نے رجا بن حیوۃ عن کاتب المغیرہ عن المغیرہ کے طریق سے روایت کی ہے؛ حالاں کہ ثور نے رجاء سے سمع نہیں کیا، اس کی علت تمہید میں ہم بیان کر آئے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام ثوری کے اصحاب کہتے ہیں: ظاہر خف کا مسح کیا جائے گا نہ کہ اس کے نچلے حصہ کا، یہی رائے امام احمد، اسحاق اور داؤد کا بھی ہے اور اسی کے قائل حضرت علیؓ، قیس بن سعد بن عبادہؓ، عروہ بن زبیرؒ، حسن بصریؒ، عطا بن ابو وضاحؒ اور ایک جماعت ہیں۔

ان کی دلیل ابوداؤد کی نقل کردہ حدیث ہے، فرماتے ہیں: ہم سے محمد بن علاء نے بیان کیا اور ان سے اعمش عن أبی اسحاق عن عبد خیر عن علیؓ کے طریق سے حفص بن غیاث نے بیان کیا کہ اگر دین کا مدار رائے اور عقل پر ہوتا تو خف کا نچلا حصہ مسح کے لیے اوپری حصہ سے زیادہ اولیٰ اور افضل ہوتا جب کہ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خفین کے اوپری حصے پر مسح فرماتے تھے۔

ابن ابوالزناد نے اپنے والد سے عروہ بن زبیر عن مغیرہ بن شعبہ کے طریق سے روایت کی ہے، انھوں نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر خف پر مسح کرتے ہوئے

دیکھا ہے''۔ یہ دونوں حدیثیں اشہب اوران کے متبعین کے قول کے باطل ہونے پر دلالت کر رہی ہیں: ''باطن خف کے مسح پر اکتفا جائز ہے''۔(ہذا قول اشہب)

ترجیح: ترجیحی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ظاہر خف خف کے حکم میں ہے اور اس کا نچلا حصہ جوتے کا حکم رکھتا ہے اور جوتے پر مسح جائز نہیں ہے، اس کو اس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ محرم پر پہنے ہوئے جوتے میں فدیہ لازم نہیں ہے، ایسے ہی اس خف میں بھی فدیہ نہیں ہے جس کے تلا ہو اور اوپر کا حصہ کاٹ دیا گیا ہو، اور اگر محرم کے خف کا اوپری حصہ موجود ہو اور نچلا حصہ نہ ہو تو اس پر فدیہ لازم ہو جائے گی۔ بس ثابت ہو گیا کہ خف ظاہر قدم کے چھپے ہوئے حصے کا اہتمام دراصل مسح کے سلسلے کا اہتمام ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن عبد البر نے مسئلہ مذکور کے گہرے تجزیے کے پیش نظر مسح علی الخفین کے سلسلے میں اپنی رائے دی ہے۔ باوجودیکہ وہ مالکی علما میں سے ہیں؛ لیکن انہوں نے اس مسئلہ میں دیگر دلائل کے راجح ہو جانے کی وجہ سے امام مالک اور ان کے اصحاب کی رائے نہیں لی۔

اب ہم دنیا بھر کی لائبریریوں استذکار کے موجود بہت سے مخطوطہ نسخوں کا بطور خاص تذکرہ کریں گے:

- دار الکتب المصریہ کا نسخہ (حدیث، نمبر: ۲۴)۔
- (۹۸۵۳) نمبر کے تحت رباط میں موجود شاہی کتب خانہ کا نسخہ۔

۱۹۷۰ء میں کتاب ''الاستذکار'' لجنہ احیاء التراث الاسلامی کے زیر اہتمام مصر سے شائع ہوئی، پھر ڈاکٹر عبد المعطی ابن قلعجی نے اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ ''دار قتیبہ برائے نشر و اشاعت دمشق اور بیروت سے اس کو شائع کیا، اور اہل علم نے اس سے خوب استفادہ کیا۔

موطأ امام مالک کے تعلق سے حافظ ابن عبد البر کی تصنیفات کے منہج کے اس جائزے کے بعد موطا کی شرحوں میں ''تمہید و'' استذکار'' کے جامع مانع ہونے کے اعتبار سے ابن عبد البر

اخیر میں ان دونوں کتابوں کے مابین ایک عمومی تجزیہ وتقابل پیش کرتے ہیں:

موضوع	التمہید	الاستذکار
کتاب کے مشمولات	مولف نے اس کتاب کو احادیث موطأ کی شرح کے لیے خاص کیا ہے اور وہ تمام بات جس کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممکن ہوسکی اس کا بھی احاطہ کیا، صحابہ و تابعین کے اقوال اور امام مالک کے فتاوی کے لیے کوئی راہ بنائے بغیر یہ کام کیا۔	مؤلف نے اس کتاب میں موطأ میں شامل تمام احادیث کو جمع کر دیا ہے، خواہ مسند و مرسل ہو یا بلاغات، اقوال صحابہ و تابعین اور امام مالکؒ کے فتاوی ہوں۔
شرح کی خصوصیات	اس کتاب میں اسانید پر مؤلف نے مفصل کلام کیا ہے؛ کیوں کہ انہوں نے امام مالک کے شیوخ کے ساتھ ساتھ دیگر رجال سند کا بھی تعارف کرایا ہے، پھر متن کی الگ سے شرح بھی کرتے ہیں۔	رجال سند کے تعارف پر زیادہ توجہ نہیں دیتے ہیں، کبھی کبھی باب کے موضوع سے متعلق مسائل و احادیث کی شرح میں بڑی وسعت سے کام لیتے ہیں۔
جرح و تعدیل	جرح وتعدیل کے اعتبار سے محدثین اور جرح وتعدیل سے تعلق رکھنے والی دوسری خاص اصطلاحات کے مطابق راویوں کے حالات کی تحقیق وتفحص کی طرف کافی توجہ دیتے ہیں۔	مختصراً راویوں کے احوال اور ان کے مراتب کو، رد و قبول کے اعتبار سے واضح کرتے ہیں، اور بسا اوقات کتاب التمہید کا حوالہ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

الاستذکار	التمهید	موضوع
استذکار کو اکثر محول کرتے ہیں بطور خاص مکرر مسائل میں، اسی طرح ''التمہید'' کا بھی حوالہ دیتے ہیں؛ تاکہ سند مکمل ہو جائے۔	عام طور پر کتاب التمہید ہی کا حوالہ دیتے ہیں یا کبھی کبھی اپنی دوسری کتاب جیسے ''جامع بیان العلم، استعاب اور مختصر التمییز'' کا حوالہ دیتے ہیں اور استذکار کا حوالہ صرف ایک جگہ ۴/ ۲۳۴ پر دیا ہے۔	حوالے
حدیث کا ذکر بغیر سند کے کرتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر ''التمہید'' کا حوالہ پیش کر دیتے ہیں۔	عام طور پر حدیث کو سند کے ذکر کرتے ہیں۔	مسند احادیث
اس میں مؤلف نے ترتیب موطاً کی پابندی کی ہے، یہاں وہ وحدۃ موضوع کو برقرار رکھتے ہیں؛ کیوں کہ مؤلف ایک باب کی احادیث ایک ہی جگہ میں ذکر کرتے ہیں۔	التمہید میں مذکور احادیث کی ترتیب امام مالک کے شیوخ کی ترتیب پر ہے، مؤلف ایک ہی مسئلہ کی احادیث کی شرح متعدد مقامات پر کرتے ہیں، انہوں نے جس کو وحدۃ موضوع قرار دیا ہے وہ مفقود ہے، اس کے باوجود کہ مؤلف نے موضوع کے اجزا کو حوالوں سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔	وحدت موضوع

موطأ پر لکھی ابن عبد البر کی شروحات کی علمی حیثیت:

حافظ ابن عبد البر دونوں کتاب ''تمہید'' و ''استذکار'' کے درمیان اس موازنہ نے دونوں کتابوں کی خصوصیات و امتیازات کو نمایاں کیا ہے اور اس سے مؤلف کی وسعت علم اور موطأ مالک کی خدمت میں اپنی گونا گوں صلاحیتوں کو کام میں لانے پر ان کی قدرت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ابن عبد البر کی موطأ پر لکھی شرح کی قیمت اور علمی امتیاز اس کی زبردست شہرت ومقبولیت ہی سے بالکل عیاں ہے، اور شہرت ومقبولیت کی بات ہے کہ مذکورہ شرح سے بہت علما نے بہت اقتباسات لیے ہیں، اس میں مغرب کے بھی علماء ہیں اور مشرقی علما بھی شامل ہیں۔

ابن عبد البر کی علمی قدر ومنزلت اور علماء کی مدح سرائی:

موطأ پر تحریر کردہ ابن عبد البر کی شرح کی علمی قیمت میں کس قدر اضافہ ہے اسی کو ذیل میں ہم ذکر کرتے ہیں: ابن عبد البر اور ان کی تصنیفات کے سلسلے میں علماء کے اقوال کے چند نمونے:

امام ذہبی ان کی شان میں فرماتے ہیں: '' وہ ایک عبادت گزار امام، معتمد علیہ، پختہ کار، علامہ، بحر العلوم اور متبع سنت تھے، ان کا مقام ائمۂ مجتہدین تک پہنچ چکا تھا جنہوں نے ان کی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی واقف ہو گئے ہوں گے کہ ذہن رسا، قوتِ فہم اور وسعتِ علم کے حوالہ سے ان کا کیا مقام ومرتبہ تھا''۔

ان کے متعلق ابو سعید مغزی فرماتے ہیں: علم شریعت اور روایت حدیث میں اندلس کے امام اور حافظ حدیث وہ شخص ہے جو فضل وکمال میں سبقت لے گیا اور بلندیوں کی چوٹی چھو لی، آپ ان کے آثار دیکھیں گے تو ان کے اخبار سے آپ بے نیاز ہو جائیں گے اور انہوں نے جو کچھ ''تمہید'' و ''استذکار'' میں ذکر کیا ہے اس کا مطالعہ ومشاہدہ انساب سے متعلق وہ جو معلومات رکھتے ہیں اسی سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ انہوں نے ''الاستیعاب'' میں کیا کچھ پیش کیا ہوگا''۔

اسی طرح امام سیوطیؒ کا قول ہے: ''وہ امام، حافظ حدیث، صاحب ثروت، اور کئی قرأت، حدیث، رجال اور اختلاف روایات کے بڑے عالم تھے، ان علوم میں ان کی امامت کے ساتھ ساتھ علوِ سند کی انتہا ہو جاتی ہے۔

چوتھے: کتاب المنتقی في شرح موطأ الإمام مالک بن انسؒ:

یہ امام ابوالولید سلیمان بن خلف باجی کی کتاب ہے۔

علامہ باجی کی کتاب المنتقی کے اسلوب کو بتانے سے پہلے ہم اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہیں گے کہ انہوں نے موطأ کے متعلق کئی کتابیں تصنیف کی ہیں، ان میں سے چند کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں۔

- کتاب الاستیفاء فی شرح الموطأ - ابن فرحون کہتے ہیں: ''یہ کتاب علم سے اس طرح بھرپور ہے کہ اس کا ادراک نہیں کیا جا سکتا؛ سوائے اس کے کوئی علم میں ابوالولید کے مقام کو پہنچ جائے۔

- ''کتاب المنتقی فی شرح الموطأ'' یہ ''الاستیفاء'' کی تلخیص ہے۔

- ''کتاب الإیماء'' یہ ''المنتقی'' کا خلاصہ ہے۔

- ''کتاب المعانی فی شرح الموطأ'' بیس جلدوں پر مشتمل یہ کتاب ہے۔

- کتاب اختلاف الموطأت۔

اس بحث میں علامہ باجی کی کتاب ''المنتقی'' کے منہج کے جائزے پر میں اکتفا کروں گا۔

باجی کی کتاب المنتقی کا طرزِ نگارش:

امام باجی نے اپنی ''المنتقی'' کی شروعات ایک مقدمہ سے کی ہے جس میں انہوں نے اپنی اس کتاب کی تالیف کے سبب و محرک کو اور اس کے منہج کو بیان کیا ہے، فرماتے ہیں: ''آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے جو کتاب ''استیفا'' کے نام سے موطأ کی شرح میں تالیف کی، اکثر لوگوں کے

لیے اس کی تالیف مشکل اور اس کا پڑھنا دشوار تھا، خاص طور پر وہ لوگ جن کو اس فن میں گہرائی حاصل نہ ہو؛ کیوں کہ اس سلسلے میں ان کی عقل کو حیرت میں ڈالتی ہے، کثرت مسائل و معانی کی وجہ سے اس کا یاد کرنا اور سمجھنا دشوار ہے۔ یہ کام تو ان کا ہے جو علم میں راسخ اور فہم میں پختہ کار ہوں۔ میری خواہش ہوئی کہ کتاب میں شامل حدیث وفقہ کے معانی میں ہی کلام کرنے پر اکتفا کروں، اس کتاب کے مسائل کی بنیاد بھی امام مالک کی کتاب ہی ہے؛ تاکہ یہ اس کی شرح اور اس سے مستنبط ہونے والے مسائل پر تنبیہ کا کام کر سکے، اور موجود مسائل و معانی پر استدلال کی طرف اشارہ کر سکے اور ہلکے اور آسان مسائل کے ذریعے اس کی وضاحت ہو سکے؛ تاکہ یہ ان لوگوں کا حصہ بن سکے جو اس طریقے سے ''استیفا'' سے مطالعہ کا آغاز کرتے ہیں اگر وہ اس پر اکتفا کریں اس کے لیے مددگار ثابت ہوگی جو پرعزم ہوں لہٰذا میں آپ کو اس کا جواب دوں گا اور اپنی خواہش وشرط کے مطابق کتاب مذکور سے زائد چیزوں کو نکال کر منقح کردوں گا، میں نے اس میں سند کے ذکر، مکمل مسائل، دلالت اور فریقِ مخالف کی دلیل کو پیش کرنے سے اعراض کیا ہے، میں نے اس میں بھی وہی راہ اختیار کی ہے جو ''استیفا'' میں اختیار کی تھی یعنی حدیث اور اصل سے نکلتے مستنبط ہونے والا مسئلہ کا ذکر، میں نے اس کے ساتھ مناسب فرع اور ان مسائل کو جن کی ہمارے شیوخؒ نے تائید وتوثیق کی ہے، شامل کیا ہے۔

- علامہ باجی اس کتاب کی ترتیب میں بھی موطأ ہی کی ترتیب اختیار کی ہے، کتب اور ابواب دونوں میں۔

باب شروع کرتے وقت حدیث لاتے ہیں جیسا کہ موطأ میں آیا ہے، اصل پر دلالت کرنے کے لیے حدیث سے پہلے حرف ''ص'' کے ذریعہ اشارہ کرتے ہیں۔

-شرح پر دلالت کے لیے حرف ''ش'' کے ذریعے اشارہ کرتے ہیں۔

-عربی شواہد پیش کرتے ہیں، ان کے ذریعے حدیث باب کی متن میں آئے مشکل الفاظ کی تشریح کرتے ہیں۔

-مختلف مسائل میں امام مالکؒ کے اقوال کا ذکر کرتے ہیں اور اسے وہ عام طور پر سحنو بن سعید کی ''المدونہ'' اور علامہ عتبی کی ''عتبیہ'' سے لیتے ہیں۔

-اپنے مسلک کو مسائل مختلفہ میں موکد کرنے کے لیے صحیحین وغیرہ کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

-شرح شدہ حدیث کو کئی فقروں میں تقسیم کرتے ہیں اور کسی خاص فصل میں ہر فقرہ کی تشریح کرتے ہیں۔

-موضوع سے متعلق مسائل جب ان کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں تو ان کی طرف ''مسئلہ'' کہہ کر اشارہ کر دیتے ہیں پھر اس کی شرح کرتے ہیں۔ باب میں آنے والی ہر ہر حدیث میں یہی طرز اختیار کیے ہوئے ہیں۔

-کبھی کبھی وہ ایک حدیث کی شرح کئی کئی باب میں کرتے ہیں، یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کے موضوع کے عناصر اس کا تقاضہ کرتے ہیں۔

-مختلف فقہی مسائل کی شرح کے دوران محمد بن وضاح اور ابن القاسم وغیرہ کی طرح مالکیہ کے اقوال پر بحث ومباحثہ سے نہیں چوکتے (خاص دھیان دیتے) ہیں۔

-سوائے خاص خاص احوال کے دوسرے مذاہب کے اقوال میں نہیں پڑتے۔

-باجی ان کی کتاب ''المنتقی'' میں جو گرفت کی گئی ہے وہ حدیث سے مستنبط ہونے والے مسائل میں جستجو کی کمی ہے۔

ایک توضیحی مثال:

موطأ کی شرح کے سلسلے میں امام باجی کے اسلوب کی وضاحت کے لیے ہم ذیل میں ایک مثال پیش کرتے ہیں:

ص (اصل): سمی مولیٰ أبی بکر بن عبد الرحمٰن عن أبی صالح السمان عن أبی ہریرہ کے

طریق سے امام مالکؒ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’اگر لوگ اذان اور پہلی صف کی فضیلت کو جان لیتے پھر اس فضیلت کو نہیں پاتے مگر وہ لوگ جو اس میں شریک رہے تو سمجھو اس کا حصہ اس فضیلت میں ہو گیا، اور لوگ جان لیتے کہ دوپہر میں چلنے کا کیا ثواب ہے تو وہ اس کی طرف ضرور دوڑتے، اور اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اندھیرے اور صبح میں حاضری کی کیا فضیلت ہے تو وہ اس کو ضرورت انجام دیں اور اس کی طرف بھاگیں اگرچہ ان کو موسرین کے بل ہی چلنا پڑے۔

ش (شرح): آپ کا ارشاد: ’’**لو يعلم الناس إلى لاستهموا**‘‘ اس سے آپ نے صف اول اور اذان پر مرتب ہونے والے ثواب کی عظمت دل میں بٹھانے کا ارادہ کیا ہے۔ اس لیے کہ اگر لوگوں کو اس ثواب کی مقدار کا علم ہو تو وہ پورے ثواب کو حاصل کرنے کے لیے لپک پڑیں گے، ’’**ولـم يجدو إلا أن يستهموا عليه**‘‘ اس عبارت کا مقصد ثواب میں رغبت دلانا ہے۔ صف اول کے سلسلے میں اختلاف ہے: بعض لوگوں نے کہا: اس سے مراد مسجد کی طرف سبقت کرنے والا، اور بعض حضرات نے کہا: اس کا مطلب امام کے بعد والی صف ہے اگر مسجد محراب والی نہ ہو جس میں داخل ہونے سے بعض لوگ منع کرتے ہیں، اور اگر مسجد میں محراب ہو تو اس کے بعد والی صف پہلی صف کہلائے گی۔

(فصل): آپ کا ارشاد: ’’**لـو يـعـلـمـون مافي التهجير لاستبقوا إليه**‘‘ اس میں ’’**التهــجيــر**‘‘ اس کا مطلب ہے دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں نماز کے لیے مسجد جانا، اور شدتِ دھوپ کا وقت صرف ظہر اور جمعہ کے موقع پر ہوتا ہے، اس سے دلیل ملتی ہے اس وقت نفل کے جواز پر؛ اس لیے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو اس وقت مسجد میں داخل ہو وہ نفل پڑھ لے۔

(فصل): آپ کا ارشاد: ’’**لـو يـعـلـمـون مـا فـي الـعـتـمـه والصبح لأتوهما ولــو حبــوا**‘‘ ان دونوں نمازوں کو اس کے ساتھ خاص کیا؛ اس لیے کہ ان نمازوں کے لیے جانا دوسری نمازوں میں جانے کے مقابلے میں پُر مشقت ہے؛ کیوں کہ انہیں دونوں وقتوں میں آنے

جانے میں سب سے زیادہ دشواری ہوتی ہے، لہٰذا: رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں نمازوں پر لوگوں کو ابھارنے کے لیے ان کی ادائیگی پر اجر عظیم کی خبر دی ہے۔

احادیث موطأ کی شرح میں باجی کا اسلوب، نصوص کے مدلولات کو گہرائی سے سمجھنے، حقیقی اور منطقی تاویلات اور ان سے مستنبط ہونے والے مسائل کی بنا پر نمایاں وممتاز ہے۔

مثال کے طور پر جب وہ حضرت زینب بنت ابوسلمہ کی اس حدیث کی تشریح کرتے ہیں جس میں انہوں نے کہا کہ انہوں نے اپنی والدہ ام سلمہ زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا: آپ کے پاس ایک عورت نے آکر کہا: یا رسول اللہ! میری بیٹی کا شوہر مرگیا ہے اور اسے آنکھ میں تکلیف ہورہی ہے تو کیا وہ سرمہ لگا سکتی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: نہیں، دو تین مرتبہ کہا اور ہر مرتبہ نہیں کہتے رہے، پھر فرمایا: اس کی عدت کی مدت چار مہینے دس روز ہے، تم سے ایک سال کے شروع ہی سے مینگنیاں پھینکتی تھی۔

رسول اللہ کے جواب کو سمجھنے کے لیے باجی نے مختلف احتمالات ذکر کیے ہیں حدیث کو ظاہر مفہوم پر محمول نہیں کرتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اس کا احتمال ہے کہ آپ "اشتکت عینها" سے مراد لیں کہ ان کی آنکھ اچھی ہوگئی تھی تو وہ سرمہ کیسے لگا سکتی ہیں؟

- اور یہ بھی احتمال ہے آپ اس سے مراد لیں کہ وہ اسی وقت اس حالت پر تھی؛ مگر جب اس نے بطور زینت کے سرمہ لگانے کی اجازت چاہی نہ کہ دواء کے لئے'' ایسے سرمہ سے جس میں کوئی زینت نہیں ہوتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا دیا؛ اس لیے کہ آپ نے دیکھ لیا تھا کہ وہ صحیح سالم ہے اور اسے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

اور اس کا بھی احتمال ہے کہ آپ نے اس سے مرض کا ہلکا پن سمجھا ہو، اور یہ کہ اس کے لیے اس پر صبر کرنا آسان ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے مرض کے ٹھیک ہوجانے اور بغیر سرمہ کے اس مرض کے ختم ہوجانے کی امید ہو؛ اسی وجہ سے ام سلمہ نے شوہر پر سوگ کرنے والی ایک عورت سے کہا جس کی آنکھ میں تکلیف تھی: رات کے وقت سرمہ لگا لیا کرو اور دن میں اسے پوچھ لیا کرو۔

علامہ باجی کی قدر و منزلت اور ان کی شان میں علماء کی مدح:

علامہ باجی کا علوم شرعیہ میں تبحر و تفنن اور فن مناظر اور دلائل مہیا کرنے میں ان کا تفوق ان کو ہم عصر علماء میں ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔

امام ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں: ''حافظ، علامہ، صاحب علم و فن ابولولید سلیمان بن خلف بن سعید ابن ایوب بن وارث التجیبی القرطبی مصنف نے بیس جلدوں میں موطا کی شرح ''کتاب المعانی'' لکھ کر بے مثال کارنامہ انجام دیا ہے''۔

ایسے ہی امام باجی اپنے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کی قدر افزائیوں سے متمتع ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ ابو علی بن سکرہ سر قسطی کہتے ہیں: میں نے ابوالولید باجی جیسا کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی میں نے کسی کو ان کے رخ اور حالت پر کسی اور کو دیکھا اور نہ ہی اپنے حلقہ میں ان جیسی توقیر۔

باجی کی شہرت و عظمت میں اضافہ کی بنیادی وجہ، ابن حزم ظاہری سے ان کا مناظرہ ہے۔ ابن فرحون نے لکھا ہے کہ ابوالولید جب اندلس تشریف لائے تو یہاں ان کی ملاقات ابن حزم ظاہری سے ہوئی، اس وقت اندلس میں کوئی کام نہیں کر رہا تھا، ابن حزم سے علمی گفتگو اور مباحثہ سے وہاں کے فقہاء کی زبان عاجز تھی، ایک جماعت بھی ان کی ہم نوا ہوگئی تھی، جزیرۂ ''میورقہ'' پر بھی وہ حاوی ہوگئے تھے اور وہاں رہنما بن بیٹھے، وہاں کے لوگ بھی ان کے ہم خیال ہوگئے، جب ابوالولید وہاں پہنچے تو اس سلسلے میں انہوں نے گفتگو کی، پھر سفر کر کے ان کے پاس گئے اور مناظرہ کیا اور ان کے کلام کو غلط ٹھہرایا، ان کے ساتھ امام باجی کے بہت سے مناظرانہ مجالس ہوئیں جنہیں لوگوں نے لکھ کر محفوظ کیا ہے۔

پانچویں: کتاب القبس فی شرح موطأ مالک ابن أنسؒ:

یہ کتاب امام ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن أحمد معافری کی ہے جو ابن

العربی اشبیلی سے مشہور ہیں (المتوفي: ۵۴۳ھ)۔ یہ فقہ السنہ میں عظیم الشان، اپنے باب میں نمایاں اور فقہ وحدیث کی ایک جامع کتاب ہے، مؤلف نے اس میں آسان اسلوب اور اچھوتا طریقہ اپنایا ہے۔

انہوں نے اس میں فقہ الحدیث کے ساتھ ساتھ حدیث کے وہ علوم بھی شامل کیے ہیں جن میں کوتاہی کا باجی پر سوال اٹھا تھا۔

ابن العربی نے اپنی کتاب ''المسالک'' میں کہا: ''جہاں تک امام باجی کی بات ہے تو انہوں نے اس فن (فقہ) میں بھرپور گفتگو کی ہے اور موطأ میں شامل بہت سے حدیث کے علوم کو انہوں نے نظرانداز کردیا۔

ابن العربی کی کتاب ''القبس'' کا اسلوب وانداز:

امام ابن العربی نے موطأ کی اپنی شرح میں سہل انداز اور منفرد نہج اختیار کیا ہے۔ ذیل میں اسی کے عناصر کا اہم خلاصہ پیش کرتے ہیں:

۱- ترتیب موطأ کے مطابق مؤلف نے مذکورہ کتاب کو کتابوں اور ابواب میں تقسیم کیا ہے؛ تاکہ طالب علم کے لیے بغیر کسی الجھن ومشقت کے مطلوبہ مسائل تک رسائی آسان ہو۔

۲-مؤلف نے ابواب کے شروع میں تین طریقے اختیار کیے ہیں:

(أ)- امام مالک کے ترجمۃ الباب کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس ترجمہ کے معنی کی تشریح کرتے ہیں، اس کے بعد باب میں ذکر کردہ احادیث کو لاتے ہیں چنانچہ ''باب صلاۃ العید'' کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''العيد عاد يعود'' فعل سے اسم بنا ہے، اس کا یہ نام نیک فال کے طور پر پڑ گیا؛ تاکہ وہ بار بار آئے، جیسا کہ قافلہ کا نام پڑا، ابتدا میں سفر میں جانے پر تفائلاً واپس آنے کی وجہ سے، اور عید ایسا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنی رحمتیں بکھیر دیتے ہیں، ان کو ان کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیتے ہیں، ان کی طاعت وعبادت قبول کرتے ہیں،

اور عید کی نماز سنت ہے۔اس کے بعد حدیث باب لاتے ہیں۔

(ب) - ترجمۃ الباب کی شرح کرنے سے پہلے براہِ راست احادیث سے ابتدا کرتے ہیں۔باب ''السترۃ'' کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس سلسلے میں بہت سی احادیث ہیں جن میں سے آٹھ قابل اعتبار ہیں، اسکے بعد انہیں ذکر کرتے ہیں فرماتے ہیں: السترہ نماز کا حسن اور اس کو مکمل کرنے والی چیز ہے، اور اس کا فائدہ دلوں کو ادھر ادھر سے کنٹرول میں رکھتا اور نگاہ کو بھٹکنے سے محفوظ رکھتا ہے؛ یہاں تک کہ بندہ مناجاۃ کے لیے یکسو ہو جائے جس کا وہ التزام کر رہا ہے۔یہی رائے عام فقہا کا ہے۔پھر مسائل باب کی شرح کو علی حالہ جاری رکھتے ہیں۔

(ج) - ترجمۃ الباب کے ذکر کے بعد، حدیث باب کے ذکر کے بغیر براہِ راست مسائل باب کی شرح شروع کرتے ہیں۔چنانچہ ''بـاب التـأمين'' کو پیش کرتے ہوئے براہِ راست ''إذا أمن الإمام'' والی حدیث سے شروعات کرتے ہیں۔کہا گیا ہے کہ ''إذا أمن'' کا مطلب ''إذا بلغ موضع التأمين'' ہے، جیسا کہ عرب کا قول: ''أحرم إذا بلغ موضع الحرام'' اور ''أنجد إذا بلغ موضع العلو''۔

۳-شرح کو اس طرح سے نمایاں اور خوبصورتی کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ مسائل کو چند نمایاں عناوین میں منقسم کیا ہے، چند خاص عنوانات کے تحت موطأ میں مذکور نکتوں اور فیصلوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

مثال کے طور پر چند سرخیاں یہ ہیں: '' اِلحاق، کشف و اِیضاح، تفصیل، استلحاق، تکملۃ تنبیہ علی قصد، استدراک، تحقیق لغوی و تحقیقی شرعی، فائدہ، تنبیہ علی وہم، تکملہ اُصولیہ، توحید، مزلّۃ قدم، تأسیس، تفسیر، تعلیق، تتمیم، عارضۃ، عطف، مزید اِیضاح، حکمۃ وحقیقۃ وتوحید، بدیعۃ، تبیین مشکل وغیرہ اصل مسئلہ کی مطلوبہ شرح کے اعتبار سے۔

۴-ابن العربی باوجودیکہ مذہب مالکی کی برآوردہ شخصیات میں سے ہیں؛ تاہم اختلافی مسائل میں مناقشہ کرتے ہوئے علماء کی مختلف آراء کو بیان کرتے ہیں اور پوری شفافیت کے ساتھ ان

پر تبصرہ کرتے ہیں، خلاصہ یہ کہ عام طور پر تو مالکی مذہب ہی کو ترجیح دیتے ہیں مگر دوسرے کی گرفت سے بھی اس کو نہیں روکتے، یہ اس وقت ہوتا ہے جب انہیں اطمینان ہو جائے کہ یہی درست ہے۔

"هل كان النبی صلی الله عليه وسلم مفرداً أقارناً أو متمتعاً" والے مسئلہ میں بحث کرتے ہوئے انہوں نے امام مالک وشافعیؒ سے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ آپ مفرد تھے، اوران کی رائے یہ ہے کہ آپ قارن تھے، فرماتے ہیں: جہاں تک امام مالک وشافعیؒ کی رائے کا تعلق ہے تو وہ آپ کے فعل سے ساقط ہو جاتا ہے، اور درحقیقت آپ قارن تھے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی بجا آوری واجب اور اس کے خلاف چیزوں کو ختم کرنا ضروری ہے، اور حق اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔

-"باب الوضوء من مس الذکر" کو بیان کرتے وقت فرماتے ہیں: "مس ذکر سے وضو کو ایک جماعت جن میں بسرہ بھی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔ اور یہ اس باب میں صحیح ترین حدیث ہے، اس حدیث سے دو اماموں، جعفی اور قشیری نے اعراض کیا ہے، اور تعجب تو ہمارے امامؒ پر ہے کہ اس کو روایت کرتے رہے اور ایک طویل مدت سے اس کے درس وتدریس میں مشغول رہے پھر بھی اس کے قائل نہ ہوئے۔ اس سلسلے میں ان کے فتاوی مختلف ہیں، کبھی وہ اس روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں تو کبھی اس کو قوی گردانتے ہیں، اسی طرح کبھی اس میں شہوت کا اعتبار کرتے ہیں تو کبھی اس کو ساقط کر دیتے ہیں، ہم ان کی روایت قبول کرتے ہیں تو حدیث صحیح کا قائل ہونا پڑتا ہے اور اگر ان کی تفریع کو قبول نہیں کرتے تو خواہی نخواہی مس ذکر سے نقض وضو کا قائل ہونا پڑتا ہے؛ اس لیے کہ ظاہر حدیث کا تقاضہ یہی ہے۔ اور مذکورہ دونوں اماموں نے صرف روایت لی ہے۔

۵- جس مسئلہ پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے اس کو دوبارہ ذکر کرنے کے بجائے اس کا حوالہ دیدیتے ہیں؛ خواہ وہ مسئلہ اسی کتاب کے مباحث میں ہو یا ان کی دوسری کتاب میں۔

٦- امام مالکؒ کی بعض روایتوں میں در آنے والی غلطیوں کی بھی نشاندہی کرتے ہیں،

اوراس سلسلے میں معقول وجہ بیان کرتے ہیں: چنانچہ ''احادیث العمل فی الوضوع'' کو بیان کرتے وقت فرماتے ہیں: موطأ میں غلطی واقع ہوگئی ہے۔

عمرو بن یحیٰ مازنی عن ابیہ سے امام مالکؒ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن زید بن عاصم جو عمرو بن یحیٰ کے دادا ہیں۔ سے کہا: اور یحیٰ بن یحیٰ وغیرہ کی بہت بڑی چوک ہے، اوراس سے بھی حیرت کی بات یہ ہے کہ ان سے جب امام وقت ابن وضّاح کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ میرے نانا ہیں، اللہ رحم فرمائے ان لوگوں پر جو سنی ہوئی باتوں کی طرف چل پڑے، اوران پر رحم فرمائے جو بغیر جانے ہوئے اس کی طرف جانے سے اپنے قدم کو روک لیا، ابن وضاح کے متعلق یہ کیسے درست ہوسکتا ہے، جب کہ درست چیز سحنوں کی ''المدونہ'' میں ہے جس کو وہ پڑھاتے رہے اور سحنوں سے اس کی روایت کرتے رہے اور یہ کتاب ان کے سامنے ہمہ وقت برائے مطالعہ رکھی ہوئی رہتی تھی اور حدیث کی صحیح سند یہ ہے:''**مالک عن عمرو بن یحیٰ المازنی عن أبیه أن رجلاً قال لعبد الله بن زید**'' اور **هٰذا الرجل**'' سے مراد عمارہ ابن أبي المازنی ہیں جو عمرو بن یحیٰ کے دادا ہیں۔

ابن العربی کی موطأ کی شرح ''کتاب القبس'' کے طرز کے اہم عناصر کے اس مختصر جائزے کے بعد کہ دورانِ تحقیق جو بات سامنے آئی وہ مؤلف کی مسائل اوران سے مستنبط احکام اور حدیث، فقہ اور معاملات کے مختلف پہلوؤں کے حل میں انتہائی باریک بینی ہے؛ یہاں تک کہ محدود وحدتِ موضوع کے ضمن میں اکثر یہ طریقۂ کار ایک باب کے حل کرنے کے سلسلے میں انتہائی واضح ہوتا ہے۔

اسی کی توضیحی مثال ذیل میں ہم پیش کرتے ہیں:

ایک توضیحی مثال (باب تیمّم الجنب)

۱-اقوال صحابہ کا بیان:

علامہ ابن عربیؒ نے فرمایا: یہ مسئلہ صحابہؓ میں بھی مختلف فیہ رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے تھی کہ جنبی تیمّم نہ کرے اور فرماتے تھے کہ اگر ہم انہیں اس کی رخصت دے دیں تو بہت ممکن ہے کہ جب پانی ٹھنڈا ہو جائے تو وہ اس کو چھوڑ کر تیمّم کر لے۔ اور یہ ذرائع کی وجہ نص کو ترک کرنا ہے اور یہ درست نہیں ہے، اور ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم شریعت کی جگہ رہنے دیتے؛ ورنہ تو جو اس سے تجاوز کرے وہ خود پر ظلم کرنے والا ہوگا۔

حضرت عمرؓ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ کیا جنبی تیمّم کر سکتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: وہ تیمّم نہیں کر سکتا ہے، تو حضرت عمار نے ان سے کہا: امیر المومنین! آپ کو یاد ہوگا کہ جب ہم ایک سریہ میں تھے تو ہم جنبی ہو گئے، ہمیں پانی نہیں مل پایا تھا، میں نے تو جانور کی طرح مٹی میں لوٹ پوٹ کر لیا، پھر ہم آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا: ''تمہارے لیے کافی ہے چہرے کے لیے ایک ضرب اور دونوں ہاتھوں کے لیے ایک ضرب۔ عمرؓ نے عمار سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو عمار! تو عمار نے فرمایا: امیر المؤمنین اگر آپ کی مرضی ہو تو میں اسے بیان نہ کروں، حضرت عمرؓ نے ان سے کہا: نہیں، اس تعلق سے میں اپنی ذمہ داری اب تمہارے سپرد کرتا ہوں۔

۲- مسئلہ مذکور میں ابن عربی کی رائے اور قاری کو دوسرے مراجع کا حوالہ دینا:

ابن عربیؒ نے فرمایا: ''یہ سب کے سب اصل کی طرف مشیر ہیں اور وہ آیت وضو اس کی ترتیب، اس میں ذکر کردہ احکام اور اس کے طریقہ پر گفتگو و بحث ہے۔

اپنے مشرقی احباب کو کہتے سنا کہ اس مسئلہ میں ایک ہزار سوال ہیں، انہوں نے انہیں جمع کرنے کی بڑی جتن کی یہاں تک آٹھ سو تک اپنی رسائی مکمل کر لی لیکن بقیہ چیزوں سے وہ مستغنی رہے۔ ان کو ہم نے کتاب الاحکام کے تقریباً بیس فصلوں میں بیان کیا ہے۔ ان فصلوں میں میں نے انتہائی معیاری گفتگو کی ہے اور سیر حاصل بحث کی ہے۔

ہاں قرآن کا ارشاد: ''وإن كنتم جنبا فاطهروا وإن كنتم مرضى أو على

سفر'' سے ''فتیمموا'' تک، اس جواب کا تعلق گذشتہ کی تمام گفتگو سے ہے، جس کی تردید نہ تو لغت سے ہوسکتی ہے اور نہ کوئی طرز گفتگو اس کو اپنی جگہ سے ہٹا سکتا ہے، شریعت بھی اس کی تائید کرتی ہے اور آثار صحیحہ سے اس کی شہادت ملتی ہے۔

- اپنی رائے کی تائید میں لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہوکر ایک شخص سے جو لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھ رہے تھے فرمایا: کیا چیز تیرے مانع ہورہی ہے ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے تو انہوں نے کہا: میں جنبی ہوں۔ آپ نے فرمایا: پاک مٹی کو لازم پکڑ لو، اور یہ نص ہے۔

حدیث سے متعلق لطیفے!

ابن عربی فرماتے ہیں: اگر کہا جائے کہ کیسے عمارؓ نے عمرؓ سے کہا: **إن شئت يا أمير المؤمنين لم أحدث به؟** تو ہم کہیں گے کہ اس کے دو جواب ہوسکتے ہیں:

پہلا: عمارؓ نے اس کا ذکر کیا کہ عمر یہ آپ کی موجودگی میں ہوا، تو انہوں اس کی تردید کی اور انہیں وہ بات یاد نہ رہی، بس یہاں دو خبریں متعارض ہوگئیں اور یہ ایسا ہوگیا جیسے ایک ہی وقت میں دو متعارض شہادتیں، لہٰذا ایک سے دوسری کی تردید ہوجاتی ہے اس کے ذکر کے سلسلے میں عمارؓ کا عمرؓ سے اجازت طلب کرنا اس لیے تھا کہ وہ بادشاہ وقت تھے۔ چنانچہ اگر وہ اس کی تردید کردیں تو نہ وہ کسی طرح مفید ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس کا کسی معنی کو ذکر کرنا مفید ثابت ہوسکتا ہے، اور اگر وہ اس کی اجازت بھی دے دیں تو اس کی تردید بھی کرسکتے ہیں اور اس کی تشہیر بھی۔

دوسرا: اس سے پہلے جو کچھ بھی گزرا یہ ہے کہ راوی کے پاس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوکر کوئی حدیث آئے تو اس پر اس کا بیان کرنا ضروری و لازم نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے صحابہ کرامؓ سنی ہوئی بعض روایات کو بیان نہیں کرتے تھے؛ اس لیے کہ حدیث

کی تبلیغ فرض علی الکفایہ ہے۔

موطأ کی اندلسی شروحات میں ابن العربی کی معروف ترین کتاب ''القبس'' کو بڑا اعتبار حاصل ہے، جس میں انہوں نے اپنے سے پہلے شراح کی کمیوں سے گریز کیا ہے، خلاصہ یہ کہ حجم میں یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود فقہ حدیث اور اس کے علوم میں ایک جامع مانع شرح ہے۔ اس سے لوگوں نے بڑا استفادہ کیا ہے۔ سرکردہ علما نے اپنی اپنی شرحوں میں ان کی رائے کو مستدل بنایا ہے۔ جیسے: امام نووی اور حافظ ابن حجر وغیرہ۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ نے کتاب القبس کے مطالعہ وتحقیق کا کام کیا اور دار الغرب الاسلامی بیروت سے ۱۹۹۲ء میں شائع کرایا۔

دنیا کی بہت سی لائبریریوں میں کتاب القبس کے کئی ایک مخطوطہ نسخے موجود ہیں، ان میں سے بعض کو ہم یہاں بطور خاص پیش کرتے ہیں۔

-ج/۲۵ تحت رباط کی پبلک لائبریری میں موجود ایک نسخہ۔

-ک/۱۹۱۶ کے تحت رباط کی پبلک لائبریری میں موجود دوسرا نسخہ۔

-۴۲۷/ر کے تحت جزائر کے مکتبۂ وطنیہ کا ایک نسخہ۔

-۸۰۰۹/ر کے تحت تونس کے مکتبہ وطنیہ کا ایک نسخہ۔

-موطأ کی شرح میں امام ابن عربی نے ایک دوسری کتاب بھی تالیف کی ہے جس کا نام ''المسالک فی شرح موطأ مالک'' رکھا۔

چھٹے: موطأ پر لکھی دوسری اندلسی شروحات۔

اندلسیوں نے موطأ کی بہت سی شرحیں لکھی ہیں: چند کا ذکر مندرجہ ذیل ہے:

۱-تفسیر الموطأ: ایک ملک بن حبیب (المتوفی: ۲۳۹ھ) کی دوسری: یحیٰ بن ابراہیم بن مزید (المتوفی: ۲۶۰ھ) کی۔

۲-محمد بن عبداللہ بن یحیٰ بن أبی زمنین (المتوفی: ۳۵۹ھ) کی تلخیص جو موطأ پر لکھی

ابن مزید کی تلخیص ہے۔

۳-محمد بن یحیٰ بن محمد بن حذاء تمیمی (المتوفی: ۴۱۰) کی اسی حصوں میں کتاب ۔ الاستنباط لمعانی السنن والأحکام من احادیث الموطأ ''، لکھی ہوئی کتاب، انہیں کی چار جلدوں میں موطأ کے رجال کے تعارف پر ایک کتاب ہے۔

۴-تفسیر الموطأ : یہ عبدالرحمٰن بن مروان قنازعی ابوالمطر ف (المتوفی: ۴۱۳) کی کتاب ہے۔

۵-تفسیر الموطأ : یہ ابوعبدالملک مروان بن محمد اسدی اندلسی الاصل (المتوفی: ۴۴۰ھ) سے پہلے کی کتاب ہے۔

۶-الموعب فی تفسیر الموطأ : یہ ابوالولید یونس بن عبداللہ بن محمد بن مغیث جو ابن صغار سے مشہور تھے (المتوفی: ۵۳۱ھ) کی کتاب ہے۔

۷-مشکل ما وقع فی الموطأ وصحیح البخاری: یہ محمد بن خلف بن موسیٰ (المتوفی: ۵۳۷ھ) کی کتاب ہے۔

۸-کتاب الانوار: یہ محمد بن سعید بن احمد بن سعید جو ابن زرقون سے معروف تھا (المتوفی: ۵۸۶ھ) کی کتاب ہے جس میں انہوں نے ''منتقی'' اور ''استذکار'' کو جمع کیا ہے۔

حدیث: ۴۲۰ر کے تحت اس کا ایک مخطوطہ نسخہ مکتبہ ازہریہ میں بھی ہے۔

اور مذکورہ کتاب کے تیسرے حصے کا عکس شدہ نسخہ جو ساتویں صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے، یہ کتاب ''کتاب الخلع'' سے شروع ہوئی ہے اور اس کا خاتمہ ''کتاب القضاء'' پر ہوتا ہے۔ یہ زیر عکس نسخہ ۳۳۷ر کے تحت ''معہد احیاء المخطوطات العربیہ'' میں موجود ہے۔

خاتمہ:

تمام تعریف اس ذات کی جس نعمتوں کے سہارے اس نیک کام کی تکمیل ہوئی اور درود

وسلام نازل ہو رحمت للعالمین ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل واولاد پر۔

موطاً کی بعض اندلسی شرحوں میں اس معمولی سیر کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ موطاً کے تئیں اندلسی علما نے خاص اہتمام کیا ہے۔ اس لیے کہ ان میں سے بہت سے امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوکر علم فقہ کی تعلیم اور موطا کا سماع کیا، پھر انہوں نے تتبعِ روایات اور گہرے مطالعہ کے ذریعے متنوع انداز میں اس کی خدمت کی، اس میں انہوں نے معانی کی شرح، احکام کا بیان، نامانوس الفاظ کی توضیح اور اس کے رجال کا تعارف کرایا ہے۔ اس کے بعد اندلسی محدثین نے موطا کے متعلق تصنیف وتالیف میں اس حد تک کام کیا کہ آپ مؤطاً پر لکھی ایک ایک عالم کی کئی کئی شرحیں دیکھیں گے۔

درحقیقت موطاً کی خدمت میں اندلسی محدثین کے کارنامے اس طرح کی بحث میں ہماری واقفیت سے بھی زیادہ ہیں، دیانتداری کے ساتھ اسے مزید بحث وتحقیق کی ضرورت ہے اور موطاً کی شرح میں اندلسی محدثین کے طرز کے پہلو کے سلسلے میں میں نے جو کوشش کی ہے یہ ایک معمولی شرکت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ خدائے عزوجل سے بندہ ثابت قدمی اور توفیق کی امید کرتا ہے کہ وہی ہر چیز پر قادر ہے اور قبولیت بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور درود وسلام نازل ہو ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تمام اصحاب پر۔

☆☆☆